عفّت سحر پاشا

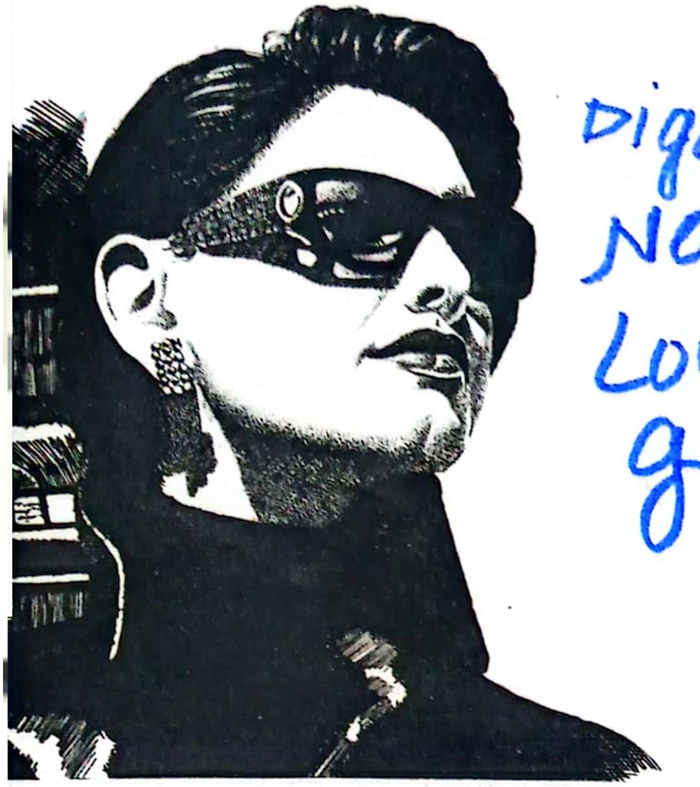

Digest Novels Lovers group

# دل دریا سمندروں ڈونگے

"میرے لیے دنیا میں سب سے بڑا مسئلہ اپنے کیریر کو بنانا ہے جبکہ بابا کے لیے سب سے بڑا اور اہم مسئلہ میری شادی ہے جو کہ میں کرنا نہیں چاہتا بس یہی وہ بات ہے جو ہم دونوں کے درمیان اختلاف کا باعث بنتی ہے وہ اسی طرح کسی نہ کسی کو میرے پیچھے لگادیتے ہیں مجھے سمجھانے کے لیے یار چھبیس سال شادی کے لیے آئیڈیل عمر نہیں ہے کم از کم میرے نزدیک۔"

وہ بہت ریلیکس انداز میں فیصل کو سمجھا رہا تھا۔

"شادی کے لیے کوئی آئیڈیل ایج نہیں ہوتی۔ یہ تو بس ہو جاتی ہے" فیصل مسکرایا۔

"لیکن میں کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ہو جاتی ہے والا معاملہ مجھے پسند نہیں۔" وہ کھرے لہجے میں بولا تو فیصل نے معنی خیز انداز میں اسے دیکھا۔

"تو یوں کہو نا۔ لو میرج۔"

"کم آن فیصل۔ لو اور وہ بھی میں۔" وہ مضحکہ اڑانے والے انداز میں ہاتھ ہلا کر بولا۔

"اوئے دھیان سے۔۔۔" فیصل مصنوعی گھبراہٹ سے آگے کی طرف جھکا۔ پھر شرارت بھری سنجیدگی سے بولا۔

"یہ نہ ہو کہیں کیوپڈ دیوتا یہیں کہیں پرواز کر رہے ہوں اور تو ان کے نشانے پر آجائے۔ ہوش اڑ جائیں گے بچو۔"

"تم یہ جوس پیو ورنہ میں ود آؤٹ پے منٹ اٹھ جاؤں گا۔" اس نے اپنے ناپسندیدہ موضوع کو کھنچتا دیکھ کر دھمکی دی تو اس نے فوراً" اپنا گلاس اٹھالیا۔ وہ اپنی دھمکی کارگر دیکھ کر شرارت سے مسکرایا۔

"تو ایک دفعہ پے منٹ کر لے پھر دیکھنا۔" وہ مصنوعی غصے سے بولا تو وہ اسے نظرانداز کرتے ہوئے ریسٹورنٹ کا جائزہ لینے لگا۔ گرمی کی وجہ سے لوگ آئسکریم کھانے کے لیے تنہا اور فیملیز کے ساتھ موجود تھے۔ تبھی گلاس ڈور کھلا اور جیسے اگست کی گرمی میں وہ بہار کا پہلا جھونکا بن کر نمودار ہوئی۔ فیصل بھی اسی وقت اس طرف متوجہ ہوا تھا۔

وہ بائیس تیئس سالہ لڑکی تھی اور لوگ جو اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے تو اس کی وجہ ایک تو اس کا غیر معمولی حسن تھا دوسرے یہ کہ اس نے اپنے اس حسن کو چھپانے کی کوئی خاص کوشش نہیں کی تھی۔ ساڑھی کا مختصر بلاؤز اس کی کمر کو بمشکل ڈھانپ رہا تھا۔ ایک تو وہ آؤٹ سلیوز اوپر سے گلا اس قدر گہرا کہ صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں والا مصرعہ اس پر فٹ آرہا تھا۔ یعنی تھوڑی سی قطع و برید کے بعد اسے ہمسایہ ملک کی ہیروئن قرار دیا جاسکتا تھا۔ پنسل ہیل پہنے وہ اس قدر خوب صورت چال سے اپنی ٹیبل تک پہنچی کہ بیسیوں آنکھیں دنگ سی اسے دیکھ رہی تھیں۔ اس نے فیصل کا منہ کھلا دیکھ کر ٹیبل کے نیچے سے اس کے پاؤں پر اپنا وزنی بوٹ والا پاؤں مارا تو وہ بلبلا کر رہ گیا۔

”خبیث انسان۔ کیا تکلیف ہے؟“ وہ دانت پیس کر غرایا۔

”مجھے تکلیف یہ ہے کہ تو ایسے منہ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا ہے جیسے نظروں سے شکار کرکے اسے کھانے کا ارادہ ہو۔“ وہ اطمینان سے جوس کا سپ لے کر بولا۔ اور مسکراتی نظروں سے اسے دیکھا۔

”ویسے یار چیز غضب کی ہے۔“ وہ رازداری سے بولا تو اس نے بیزاری سے سر جھٹکا۔

”غضب کی نہیں غضب ناک ہے۔“ وہ معنی خیز انداز میں بولا۔ فیصل نے بغور اس کو دیکھا۔

”تو جانتا ہے اسے؟“

”کچھ زیادہ نہیں۔“ اس نے شانے اچکا کر بے نیازی سے کہا۔

”صرف اتنا کہ اس کا تعلق ریڈ لائٹ ایریا سے ہے فلمی دنیا میں حال ہی میں قدم رکھا ہے اور یہ جو اس کے ساتھ اس کے والد کی عمر کا شخص ہے وہ اس کا والد نہیں بلکہ ایک غیر مشہور سیاسی شخصیت ہے جو اپنے انداز سے اس کے ناز اٹھاتے ہوئے بدستور لور بوائے بننے کی ناکام کوشش کررہا ہے۔ حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس وقت اس کے منہ سے رال اور چہرے سے خباثت ٹپک رہی ہے۔“ وہ گلاس کے کنارے پر انگلی پھیرتے ہوئے شرارت سے مسکرا بھی رہا تھا۔

”ویسے آج مجھے پتا چلا کہ صحافی ہونے کا سب سے بڑا فائدہ کیا ہے۔“ فیصل نے جیلسی سے کہا تو وہ بھنویں اچکا کر استفہامیہ انداز میں اسے دیکھنے لگا۔

”یہی کہ تو اسے جانتا ہے اور میں پہچانتا تک نہیں۔“ وہ ٹھنڈی آہ بھر کے بولا۔ تو اسے ہنسی آگئی۔

”چل اب بک مت اور اٹھ جا۔“ اس نے ویٹر کو اشارہ کرتے ہوئے اسے اٹھنے کا کہا تو وہ منہ بنا کر اٹھ گیا۔ ارقم نے اپنا کیمرہ احتیاط سے اٹھایا۔

”مجھے لگ رہا ہے کہ آج یہ بڈھا گیا کام سے“ فیصل نے باہر نکلتے ہوئے کن اکھیوں سے اس ”قیامت“ کا جائزہ لیا اور سرگوشی کی۔ وہ دونوں کھانا درمیان میں رکھے کھانا کم اور نظروں ہی نظروں میں ایک دوسرے کو زیادہ کھا رہے تھے۔ ”ویسے یار اس لڑکی نے اس بڈھے کی عقل خبط کر رکھی ہے۔ ذرا سوچو اس لڑکی کا تعلق تو ریڈ لائٹ ایریا سے ہے مگر اس بڈھے کو اگر اس کا کوئی فیملی ممبر دیکھ لے تو کیا ہو؟“ فیصل اس کے پیچھے موٹر سائیکل پر بیٹھتے ہوئے بھی انہی کا رونا رو رہا تھا۔ جبکہ ارقم حسب عادت بے پروا بنا ہوا تھا۔

”ان لوگوں کو اتنا ڈر ہو تو ایسی حرکتیں پبلک پلیس پر نہ کریں۔“ اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور سرسری انداز میں بولا۔

”اور وہ بابا سے کیا کہوں گا میں؟“ فیصل کو اچانک یاد آیا وہ زور سے بولا۔ ویسے ہی وہ جس رفتار سے موٹر سائیکل اڑا رہا تھا اس میں شاید ہی کوئی بات سن پاتا مگر یہ بات اس نے سن لی۔

”خبردار جو اپنا نظریہ پیش کیا کہ دینا کہ ابھی اس کی عمر نہیں ہے شادی کی۔“ ارقم نے اسے دھمکایا تو فیصل نے اس کے شانے پر مکا جڑ دیا۔

”اس دو ٹکے کی نوکری سے بہتر ہے تو بابا کا آفس سنبھال لے۔ اس قدر شاندار جا رہا ہے کہ تجھے محنت کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ فیصل نے بابا کی زبان بولی تو وہ فوراً ”سمجھ گیا۔

"تم جانتے ہو میں بزنس مائنڈڈ نہیں ہوں۔ اور یہ بھی کہ میں کیسے کرائے پر بیٹھ کر کھانے والوں میں سے بھی نہیں۔ یہ سب بزنس بابا کی محنت کا نتیجہ ہے۔" وہ اپنی لوجک سے بات کرتا تھا۔ فیصل گہری سانس لے کر رہ گیا۔ پھر اسے جلانے کو بولا۔

"اگر تو سوچتا ہے کہ اس رپورٹری سے تو محل بنالے گا تو بھول جا۔ بچو اتنی تنخواہ میں تو ایک جھونپڑی بھی نہیں بنتی۔"

"تو میں کب جھونپڑی بنا رہا ہوں؟" وہ اطمینان سے بولا اور موٹر سائیکل فیصل کے گھر کے سامنے روک دیا۔

"اب سیدھے گھر جانا۔ بابا پریشان ہوں گے۔" فیصل نے اسے تنبیہہ کی مگر وہ ان سنی کر گیا۔

"آج بس تھوڑی سی دیر ہو جائے گی۔ کبیر شاہ نے پریس کانفرنس بلوائی ہے۔" اس نے ایک بندے کا نام لیا۔

"وہ...... وہ کیوں؟" وہ استفہامیہ انداز میں بھویں اچکا کر پوچھنے لگا۔

"پچھلے کئی ہفتوں سے کوئی اسے فون پر دھمکیاں دے رہا ہے اسی سلسلے میں اخبارات میں کافی کچھ شائع ہوا ہے بس کچھ غلط فہمیاں دور کرنے کے لیے اور شاید کوئی نئی تازی ہو جائے وہاں۔" مسکرایا۔

"اوکے... بیسٹ آف لک۔" فیصل نے بیل پر ہاتھ رکھا۔

"تھینکس... اللہ حافظ۔"

وہ موٹر سائیکل اسٹارٹ کرنے لگا۔ ذرا سی دیر میں وہ "سٹی ٹاپ" پہنچ گیا۔ "سٹی ٹاپ" کے خوب صورت ماحول میں تمام رپورٹرز خوش گپیوں میں مصروف تھے وہ سب سے ہائے ہیلو کرتا اپنے گروپ کی طرف بڑھا۔

"شاہ جی آئے نہیں ابھی تک؟" وہ معنی خیزی سے کبیر شاہ کے متعلق پوچھنے لگا۔ صفدر جو کہ "ارباب" کا رپورٹر تھا جواب دینے لگا۔

"وہ ذرا تیاری شیاری کر رہے ہوں گے۔ پریس کی ہمدردی حاصل کرنے کے لیے بہت سے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔"

"ویسے یار کیا دھمکیاں مل سکتی ہیں کبیر شاہ کو؟" عابد ذکی حیرت سے بولا۔ کیونکہ کبیر شاہ کافی خطرناک بندہ سمجھا جاتا تھا۔

"اخبارات کی حد تک تو میں بھی جانتا ہوں آگے ابھی قلعی کھل جائے گی۔" ارقم سرسری انداز میں بولا۔ اور اپنا کیمرہ چیک کرنے لگا۔ تبھی کبیر شاہ اپنے حواریوں میں گھرا ریسٹورنٹ میں داخل ہوا۔ ماحول ایک دم پر شور ہو گیا۔ سب نے اپنی اپنی سیٹیں سنبھالی ہوئی تھیں۔ سب سے پہلے کبیر شاہ نے سب کا مشترکہ حال چال پوچھا۔ ریسٹورنٹ میں باقاعدہ اسٹیج بنا کر صوفے لگائے گئے تھے جبکہ پریس کے نمائندے ہال میں کرسیوں پر براجمان تھے۔

"یہ پریس کانفرنس بلوانے کا کیا مقصد ہے؟" کسی نے اٹھ کر پوچھا۔ تو کبیر شاہ نے محتاط انداز میں اصل بات شروع کی۔

"بات یہ ہے کہ کوئی شخص مجھے مسلسل یہ دھمکی دے رہا ہے کہ وہ پریس میں میرا امیج خراب کر دے گا۔"

"تو آپ امیج اچھا کیوں رکھنا چاہتے ہیں؟" عابد ذکی نے بات کاٹی۔

"ظاہر سی بات ہے اپنی ریپوٹیشن اچھی رکھنا ہر کسی کا حق ہے۔" وہ تحمل سے گویا ہوا۔

"یعنی بات آپ کی خدمتوں یا عوام سے سلوک کی نہیں آپ کے کریکٹر کے بارے میں ہے۔" صفدر فوراً تہہ تک پہنچا تو کبیر شاہ جز بز ہو گیا۔

"میرا کریکٹر اس سے علیحدہ نہیں ہے۔" وہ فوراً بول اٹھا۔

"مجھے کہا جا رہا ہے کہ اگر میں اس دفعہ الیکشن میں کھڑا ہوا تو میرے متعلق کچھ ایسا مواد پریس کے حوالے کر دیا جائے گا جس سے میرا سیاسی کیریئر تباہ ہو جائے گا۔ جبکہ میں مطمئن ہوں کہ ایسا کوئی مواد نہیں ہے جس سے میں پریشان ہو سکوں۔"

"آر یو شیور...؟" ارقم بے یقینی سے بولا تو وہ تلملا

Digestiblog.com

اٹھا۔

"ہنڈرڈ اینڈ ٹین پرسنٹ شیور۔"

"تو پھر اس میٹنگ کا مقصد؟" ایک اور رپورٹر اکتا کر بولا۔

"دیکھیے میں چاہتا کہ آپ لوگ باخبر رہیں ہر بات سے۔ میں کچھ بھی چھپانا نہیں چاہتا۔ کل کوئی آپ لوگوں کو مس گائیڈ کرنے کی کوشش کرے تو آپ اسے کامیاب نہ ہونے دیں بلکہ میرا ساتھ دیں۔" وہ بڑی ہوشیاری سے بولا۔

"لیکن ہمیں تو ثبوت چاہیئے اگر کوئی ثبوت کے ساتھ خبر دے تو ہم کیسے اسے جھوٹ سمجھیں؟"

"بس آپ مجھ پر اعتبار کریں۔ باقی سب کو دفع کریں۔" وہ چالاکی سے بولا۔ اب سب اس کی فضول گفتگو سے بیزار ہو چکے تھے۔

"چرب زبانی دیکھی اس شخص کی...؟" میٹنگ ختم ہوتے ریفریشمنٹ کا انتظام تھا۔ صفدر کوک کے سپ لیتا ارقم اور عابد ذکی کی طرف چلا آیا۔

"یہ سب صرف اس لیے کہ ہم لوگوں کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جائے کہ اگر کبھی کسی نے اس کے متعلق کوئی خبر دی تو وہ محض ایک جیلسی سمجھی جائے۔ اس شخص کا مقصد صرف اور صرف پریس کی ہمدردیاں بٹورنا ہے اور بس۔" ارقم تلخی سے اصل بات بتاتے ہوئے بولا۔

"بس یار کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے صحافت کے شعبے کو بدنام کر کے رکھ دیا ہے ورنہ اس قسم کے آدمی کی ہمت نہ پڑے پریس کو اپنے ساتھ ملانے کی۔ تم نے دیکھا نہیں اکثریت اس کی ہاں میں ہاں ملا رہی تھی۔" عابد ذکی تاسف سے پر لہجے میں بولا۔

"جاگے گی یار... یہ قوم کسی جھٹکے سے جاگے گی۔" ارقم سنجیدہ تھا۔

"خدا وہ دن جلدی دکھائے۔" صفدر نے دعا کی۔

"اوکے یار... میں چلوں۔ خوامخواہ اتنا ٹائم ویسٹ کیا اس فضول سی میٹنگ کی خاطر بابا سے ڈانٹ کھانا مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔" اس نے گلاس ٹیبل پر رکھ کر رسٹ واچ دیکھی۔

"واقعی یار... کسی حسینہ کے ہجر میں ڈانٹ کھاؤ کسی کھاتے میں تو جائے ناں۔ اب کبیر شاہ جیسے بندے کے لیے ڈانٹ کھانا تو واقعی بےزار ہی کرتا ہے۔" صفدر نے ہنس کر اس کے شانے پر ہاتھ مارا۔ تو وہ جواباً ہنس کر ان سے ہاتھ ملاتا باہر نکل آیا۔

"تو کبیر شاہ تم سدھرے نہیں..." وہ موٹر سائیکل اڑاتا سوچوں میں گم تھا۔

گھر پہنچ کر بابا سے اچھی خاصی ڈانٹ کے بعد گلو خلاصی ہوئی۔

"اس سے اچھا تھا کہ تم بزنس سنبھال لیتے۔ کم از کم ٹائم پر گھر تو پہنچ جاتے۔" وہ اسے پسپا کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پسندیدہ موضوع پر آ گئے تو وہ سر جھکائے اپنی پلیٹ پر جھکی ربداء کی طرف اچٹتی نگاہ ڈال کر ان کی طرف متوجہ ہوا۔

"بابا کیا خیال ہے اس ٹاپک پر ہم بعد میں بحث نہ کر لیں؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"کیوں؟ ابھی کیا ہے؟" وہ جرح کرنے لگے۔

"بابا پلیز..." وہ دبی دبی آواز میں بولا۔

"ربی سے کچھ بھی چھپا نہیں۔ میں نے اسے ہر بات بتا دی ہے تمہاری نافرمانیاں بھی۔" وہ تفاخر سے بولے تو وہ چڑ گیا۔

"بابا... آپ میرے باتیں کسی سے نہیں کر سکتے" اس نے احتجاج کیا۔ مگر وہ قطعی متاثر نہیں ہوئے۔

"تم چھپانے کی چیز نہیں ہو۔"

"لیکن مجھے صرف آپ جان سکتے ہیں۔"

"ربی بھی میری بیٹی ہے۔" وہ اسے چڑا رہے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے معاملے میں وہ کس قدر پوزیسو ہے۔

"پلیز بابا... ورنہ ابھی کسی نہ کسی کا موڈ خراب ہو جائے گا۔" اس نے وارن کیا۔

"تم بالکل گدھے ہو..." وہ بے تکلفی سے بولے تو وہ خفیف سا بے ساختہ اس جھکے ہوئے سر کو دیکھنے لگا۔

"بابا... میں اٹھ کے چلا جاؤں گا۔" وہ آہستگی سے انہیں دھمکاتے ہوئے بولا۔ کمال بات تھی یعنی وہ اس کی نیچر جانتے ہوئے بھی اس لڑکی کے سامنے اس کی یوں عزت افزائی کر رہے تھے۔

"اب مجھے ان دھمکیوں کی پروا نہیں کیونکہ میری بیٹی آگئی ہے اب" وہ قطعی رعب میں نہیں آئے تو وہ تلملا کر کرسی دھکیلتا ٹھوکریں مارتا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

"دیکھیے! اس کی یہی بات مجھے اچھی نہیں لگتی۔ خود کو ناقابل اشاعت کتاب کی طرح بند رکھتا ہے سوائے میرے کسی پر کھلنا پسند نہیں کرتا اور میں اس کی اس بات کو پسند نہیں کرتا۔" وہ اس سے شکایت کرنے لگے۔

"آپ بھی تو حد کر رہے ہیں۔ بالکل بچوں کی طرح انہیں ڈانٹ رہے تھے۔ وہ شاید میرے سامنے برداشت نہیں کرپائے۔" وہ دھیمی آواز میں بولی۔

"میں چاہتا ہوں کہ اب وہ عادی ہو جائے دوسروں کے لیے عام بننے کے لیے تیار ہو جائے۔ اسی ڈھکے چھپے اور لیے دیئے مغرور انداز کی وجہ سے وہ شادی بھی نہیں کر رہا کیونکہ وہ خود کو میرے علاوہ کسی اور پر ظاہر ہی نہیں کرنا چاہتا اور میں سدا تو اس کے ساتھ نہیں رہوں گا۔" وہ بہت بے تکلفانہ انداز میں اسے بتا رہے تھے۔ کل تک وہ ان کے پاس نہیں تھی تو وہ اس کی حرص بھی نہیں کرتے تھے اب وہ انہیں ملی تھی تو انہیں یوں لگتا تھا جیسے زندگی اب ہی مکمل ہوئی ہے۔ حالانکہ وہ گم صم اور اپنے آپ میں سمٹی سمٹائی رہتی تھی مگر وہ اب اس سے ہر بات شیئر کرتے جو وہ ارم سے کرنا چاہتے تھے مگر اس کے میسر نہ ہونے کی وجہ سے نہیں کرپاتے تھے۔

"اور تم اکیلی ڈرتی تو نہیں گھر میں؟"

اسے خاموش دیکھ کر انہیں اس پر پیار آگیا انہوں نے بہت ملائمت سے پوچھا تو اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر تم ہنستی کیوں نہیں؟" وہ بچکانہ انداز میں بولے۔ تو اس کی پلکیں نم ہونے لگیں وہ جلدی سے بولے۔

"ارے۔ رونا نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے اپنا بابا نہیں سمجھتیں؟ انہوں نے تاسف بھرے لہجے میں گویا اسے بلیک میل کیا۔ تو اس نے گڑبڑا کر آنکھیں پونچھ لیں۔

"نہیں رو نہیں رہی۔" وہ جلدی سے بولی۔ تو انہوں نے کرسی کھسکائی اور اسے ساتھ لیے لاؤنج میں چلے آئے۔

"تم خوش رہا کرو۔ کچھ تو تلافی کرنے دو مجھے اپنی بے التفاتی اور بے پروائی کی۔ اتنے سالوں میں اپنے سگے بھائی سے بے خبر رہا اور سب سے بڑھ کر اتنی پیاری بیٹی سے۔ اور اس نے مجھ پر اتنا بڑا احسان کیا کہ وہ جاتے ہوئے اپنی سب سے قیمتی متاع میری خالی جھولی میں ڈال گیا۔ تم خوش رہو گی تو میں بھی مطمئن و پرسکون رہوں گا۔" ان کی گود میں سر رکھے کارپٹ پر گھٹنوں کے بل بیٹھی تھی وہ بہت پیار سے اس کا سر سہلاتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ ان کے لہجے میں پچھتاووں کی آنچ تھی اور آنکھیں جل رہی تھیں۔ جبکہ اس کی آنکھیں خود بخود ہی بھیگ رہی تھیں۔ یہ وجود ایک ہفتے میں ہی کتنا عزیز ہو گیا تھا اسے اتنی بڑی دنیا میں اباجی کے بعد یہ واحد وجود تھا جس سے لپٹ کر وہ باپ کی شفقت آمیز خوشبو کو محسوس کرپائی تھی۔ اور وہ تھے بھی اباجی کی طرح۔ بس مزاج کی تند خوئی انہیں اباجی سے الگ کرتی تھی۔ مگر ربداء کے لیے تو وہ بالکل موم کے مانند تھے۔

"تم خوش تو ہو نا یہاں؟" ان کے لہجے میں حسرت سی تھی۔

"ہاں بابا... میں بہت خوش ہوں۔" وہ بھیگے لہجے میں بولی تو انہوں نے اس کے دکھ کو پوری شدت سے محسوس کرتے ہوئے اس کے سر کو چوم لیا۔

*

چھٹی کا سارا دن وہ جانے کہاں سر کھپائی میں گزار آیا تھا۔

"اسلام علیکم۔۔۔" وہ گرمی سے بے حال صوفے پر گر سا گیا۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ تمہیں چھٹی کے روز بھی چین نہیں پڑتا۔" بابا کو اس کی تھکن نے بے چین کر دیا۔ ربداء سر جھکائے شطرنج کی چال سوچنے میں غرق تھی انہوں نے اسے ٹھنڈا لانے کا اشارہ کیا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئی۔

"اب آپ کو میری کیا پروا۔۔۔" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولا اچٹتی نگاہ بالوں کی گھنی لمبی لہراتی چوٹی پر ڈالی جو کچن میں گم ہو گئی تھی۔

"کیوں۔۔۔ اب کیا ہو گیا ہے مجھے؟" انہوں نے گویا اس کی بات پر ناگواری کا اظہار کیا۔ تو وہ چڑ کر بولا۔

"کچھ بھی نہیں ہوا۔ بس میں ہی پاگل ہو گیا ہوں۔"

"تم صرف جیلس ہو رہے ہو میرے اور ربداء کے پیار سے" انہوں نے واضح انداز میں اسے تپانے کی کوشش کی جو خاصی کامیاب رہی۔

"ہاں۔ میں جیلس ہوں۔ اسے آئے ابھی آٹھ دن بھی نہیں ہوئے کہ وہ آپ کی ہر ایکٹی ویٹی کا حصہ بن گئی ہے۔"

اس کا جلایا فوراً" زبان پر آگیا تھا۔ انہوں نے اپنی مسکراہٹ دبائی۔

"تمہیں بھی اگر میرا اتنا ہی خیال ہوتا تو تم میری ہر بات سر جھکا کر تسلیم کرتے۔"

"یعنی۔۔۔" وہ جیسے بہت ہرٹ ہوا ان کی بات پر۔ فوراً" سیدھا ہو بیٹھا۔

"آپ مجھے نافرمان کہہ رہے ہیں؟"

"میں کچھ نہیں کہہ رہا۔" انہوں نے مشروب ٹرے میں سجائے ربداء کو آتے دیکھ کر مبہم لہجے میں کہا تو وہ تلملا اٹھا۔ اگر یہ لڑکی اس وقت یہاں نہ ہوتی تو وہ کتنے آرام و سکون سے اپنی بات مکمل کر سکتا تھا۔

"یہ لیجئے بابا۔" اس نے پہلے بابا کو ٹھنڈے مشروب کا گلاس تھمایا اور پھر ارقم کی طرف بڑھایا۔

"جی نہیں۔۔۔ شکریہ" وہ سپاٹ لہجے میں بولا تو وہ خفیف سی ہو گئی۔

"اتنی گرمی میں آوارہ گردی کر کے آ رہے ہو اور بجائے اس کے کہ تم شربت پی کر اس کا شکریہ ادا کرو تم اکڑ دکھا رہے ہو۔" بابا نے اسے ڈانٹا تو ان کے انداز تخاطب پر وہ سرخ پڑ گیا۔ بہت بے بسی سے انہیں دیکھا۔

"بابا پلیز۔۔۔"

"میں اس سے بھی برا تمہیں کہہ سکتا ہوں اگر تم نے میری بیٹی سے اس طرح برتاؤ کیا تو۔" ان پر اس کی بے بس سی التجا کا کوئی اثر نہیں ہوا وہ اسی انداز میں بولے۔ ربداء ابھی تک گلاس ہاتھ میں لیے گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھی تھی۔

"لائیے دیجیے آب حیات کا گلاس" وہ اکتا گیا اس بے مقصد بحث سے تو ناگواری سے بولا۔ بابا تفاخر سے مسکرائے۔ مگر اگلے ہی لمحے وہ دونوں گنگ رہ گئے۔ اس نے گلاس سینٹر ٹیبل پر پٹخ دیا تھا اور وہ اٹھ کر بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"دیکھا آپ نے۔۔۔ اتنی بدتمیزی؟" وہ تلملایا۔

"تمہارے ساتھ ایسے ہی ہونا چاہیے تھا۔" وہ اس کے اطمینان کی دھجیاں اڑاتے ہوئے بولے۔

"دس از ناٹ فیئر بابا۔ آپ صرف میرے ہیں۔ یہ لڑکی جانے کہاں سے اٹھا لائے ہیں آپ۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"بکو مت۔۔۔ وہ مجھے تمہارے ہی جتنی عزیز ہے۔" وہ لہجے میں نرمی سمو کر بولے تو وہ چڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اور بہت جل کر بولا۔

"اچھا تو پھر یہ بات آپ بار بار مجھے مت بتایا کریں۔"

"وہ پیر پٹختا اپنے کمرے میں چلا گیا تھوڑی دیر ماحول پر سکوت طاری رہا پھر وہ دندناتا ہوا باہر نکلا۔

"بابا۔۔۔ یہ کیا ہو رہا ہے؟" وہ بیچارگی سے بولا۔

"کیا ہوا ہے؟" انہوں نے ریموٹ اٹھا کر ٹی وی آن کیا۔

"یہ میرا کمرہ کس نے الٹ پلٹ کیا ہے؟" وہ غصے

سے بولا۔

"بھئی میں نہیں جانتا ربی ہی سارے گھر کو مین ٹین کر رہی ہے آج کل۔" وہ بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے تو وہ بے بسی سے گہری سانس لے کر رہ گیا۔

"آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ میرے کمرے میں آپ کے علاوہ کوئی نہیں جا سکتا۔" وہ پر احتجاج لہجے میں بولا۔

"اچھا۔" وہ حیرت سے بولے۔ "مگر وہ تو آسانی سے دروازہ کھول کر چلی گئی تھی۔"

"بابا پلیز بی سیریس۔ آپ جانتے ہیں کہ میری بہت سی پرسنل ڈاکومنٹس بھی پڑی ہیں وہاں پھر بھی۔" وہ بمشکل غصہ دبا رہا تھا۔

"آئندہ نہیں جائے گی وہاں۔ اوکے؟" انہوں نے اسے پچکارا تو وہ غصے سے بڑبڑاتے ہوئے دوبارہ پلٹ گیا۔

"آپ میرے کمرے میں کیوں گئی تھیں؟" ابھی وہ ناشتے کی ٹیبل سمیٹ رہی تھی وہ نہیں جانتی تھی کہ بابا کے جاتے ہی وہ اس سے حساب چکتا کرنے کھڑا ہو جائے گا۔ اس لیے گڑبڑا کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

"وہ... بابا سے میں نے پرمیشن لی تھی۔" وہ خفت سے گلابی پڑ گئی۔

"وہ بابا کا نہیں میرا کمرہ ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا۔

"لیکن میں نے کچھ گڑبڑ تو نہیں کی وہاں۔" وہ سادگی سے بولی۔

"وہاں کچھ نہیں بہت کچھ گڑبڑ ہے۔" وہ طنزیہ انداز میں بولا۔

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" وہ پریشانی سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر بولی۔

"میں تو بس بیڈ شیٹ چینج کر کے تھوڑی سی چیزیں سمیٹ کر ڈسٹنگ کر کے چلی آئی تھی۔"

"اور رائٹنگ ٹیبل پر جو فون نمبرز لکھے تھے؟" وہ سختی سے بولا تو وہ بھونچکی رہ گئی۔

"اس پر تو نری مٹی جمی تھی۔" وہ اپنی صفائی پیش کرنے لگی۔

"مگر وہیں میں نے دو تین فون نمبرز بھی لکھے تھے۔" وہ رکھائی سے بولا۔

"اینی وے۔ آپ کو میرے کمرے میں جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس کے اس انداز پر اس کی پیشانی تپ اٹھی۔

"مجھے کوئی شوق بھی نہیں آپ کے کمرے میں جانے کا۔" وہ غصے سے کہتی کرسی دھکیلتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس اکڑ اور تنتنے سے فرصت ملے تو میری بک واپس کر دیجئے گا۔" وہ اس قدر تمسخرانہ انداز میں بولا کہ وہ اپنی اس بھول پر بے طرح شرمندگی و کوفت کا شکار ہو گئی۔ پھر خاموشی سے جا کر کتاب لائی اور ٹیبل پر پٹخ دی۔

"امید ہے آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔" پھر وہی استہزائیہ انداز۔ وہ پیر پٹختی کچن میں چلی گئی اور بلاوجہ نل کھول کر کھڑی ہو گئی۔

ذہن اس وقت بہت پراگندہ ہو رہا تھا۔ دوسروں پر بوجھ بننے کا احساس دل کو بوجھل کر رہا تھا۔ اس وقت اگر بے سائبانی کا احساس نہ ہوتا تو وہ اسے ذرا سی بات کہہ کر اگنور کر دیتی۔ مگر اب تو اس طرح کی ذرا سی بات بھی اتنا ٹیسر کرتی کہ آنکھیں جل تھل ہو جاتیں۔

"ابا جی اگر آپ ہوتے تو..." وہ بہت بے قرار ہو رہی تھی۔

*

"ذرا نمایاں سی خبر ہونی چاہیے اور سرخی اس طرح لگاؤ کہ ذرا تجسس اور بے چینی پیدا ہو پڑھنے والوں میں۔"

وہ پروف ریڈر کو ہدایات دے رہا تھا۔ ساتھ ہی تصویروں کی چھانٹی کر رہا تھا۔

"ارحم... فون ہے تمہارا۔"

وہ بہ عجلت پلٹا اور ظہیر کے ہاتھ سے ریسیور

Digestlibrary.com

سنبھالا۔

"ہیلو۔۔۔ اوہ۔۔۔" اس کے تاثرات ایک دم بدلے تھے وہ بہت ریلیکس سا کرسی پر بیٹھ گیا۔ اور ٹانگیں پھیلالیں۔

"کیا حال ہے کاظمی صاحب؟" وہ بہت محظوظ ہونے والے انداز میں بولا۔

"اس ناچیز کا خیال کیسے آگیا آپ کو؟" وہ شرارت سے مسکرارہا تھا۔

"میٹنگ۔۔۔؟ وہ بھی مجھ سے۔۔۔" وہ حیران ہونے کی ایکٹنگ کررہا تھا۔

"اوہ شیور۔۔۔ اینی ٹائم کاظمی صاحب۔" وہ شریر انداز میں بولا۔ پھر فون رکھ دیا۔ گہری سانس لے کر سر کرسی کی بیک پر ٹیک دیا۔ اس کے لبوں پر پرسکون سی مسکراہٹ جمی تھی۔۔۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ایڈیٹر سے اجازت لے کر موٹر سائیکل پر کاظمی صاحب کے بنگلے کی طرف رواں دواں تھا۔ اس نے بارعب پٹھان چوکیدار کو اپنا وزیٹنگ کارڈ دے کر اندر بھجوایا چند لمحے بعد اسے اندر بلوالیا گیا۔ وہ اردگرد بکھری۔ خوب صورتی سے بے نیاز سیدھا ملازم کی رہنمائی میں ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ ملازم اسے بٹھا کر یہ کہتے ہوئے چلا گیا۔

"صاحب ابھی آتے ہیں۔"

وہ خاموشی سے ٹانگ پر ٹانگ رکھے صوفے میں دھنسا ہوا تھا۔ انگلیاں صوفے کے بازو پر تال بجانے میں مصروف تھیں۔ تبھی بے حد تیز مگر دلکش خوشبو سیدھی اس کے نتھنوں میں گھستی چلی گئی وہ بے ساختہ اٹھ کھڑا ہوا۔

"ہیلو۔۔۔" وہ کسی حد تک بھرائے ہوئے خمار آلود لہجے میں بولتے ہوئے مسکرائی۔ اور ساتھ ہی ہاتھ آگے بڑھادیا۔

"ہیلو۔۔۔" اس نے پرسوچ انداز میں اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر جواباً کہا۔

"یہ وہی قیامت تھی جو اس روز ریسٹورنٹ میں بڈھے کے ہمراہ موجود تھی۔

"پہچانا مجھے۔۔۔؟ سٹ ڈاؤن۔" اس نے دلکش مسکراہٹ سے نوازتے ہوئے ذرا رک کر اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسے دیکھ ارقم کا دماغ گھوم رہا تھا۔ اس وقت دوپہر ڈھل رہی تھی اور وہ قابل اعتراض نائٹ سوٹ میں ملبوس بہت بے تکلفی سے اس کے مقابل بیٹھی تھی۔ ارقم نے اس کا سوال نظرانداز کردیا۔

" ایکچوئلی میں آرام کررہی تھی۔ کاظمی نے تمہاری اس قدر تعریف کی کہ میں نے سوچا اس سے پہلے میں تم سے مل لوں۔"

وہ یوں بولی جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ کاظمی کے بنگلے میں اس کی موجودگی واضح تھی۔

"ویسے آپ کی حالت ایسی نہیں تھی کہ مجھ سے ملنے یونہی چلی آتیں اور نہ ہی میں کوئی ایسی پرسنالٹی ہوں کہ مجھ سے ملنے کے لیے اس حلیے میں آپ بھاگی چلی آئیں۔" وہ واضح ناگواری سے بول رہا تھا۔

"کم آن ارقم نیازی۔۔۔" وہ چھوٹا سا قہقہہ لگا کر بولی۔ پھر اپنی جگہ سے اٹھی۔

"لباس سے کیا ہوتا ہے۔ اصل چارم تو انسان کی شخصیت میں ہوتا ہے۔" وہ اس کے صوفے کے بازو پر ٹک کر اس کی طرف جھکی تو اس کی اس بدتمیزی پر اس کا رنگ سرخ ہوگیا کنپٹیاں سلگ اٹھیں۔

"شخصیت چارمنگ تبھی لگتی ہے جب انسان کا کردار اچھا ہو۔" اس نے بھرپور طنز کیا اگر کوئی شریف لڑکی ہوتی تو شرم سے مرجاتی مگر وہ لزا فاروقی تھی۔ جس نے بڑی اسکرین پر پہلی فلم میں ہی ہیجان برپا کردیا تھا۔ اس نے ارقم کی تلخی کی پروا کیے بغیر اس کے رخسار پر ہاتھ رکھ کر اس کا چہرہ اپنی طرف موڑا۔

"تم بہت ہینڈسم ہو مگر ظالم بھی اتنے ہی ہو۔" وہ اپنے مخصوص خمار آلود انداز میں بولی اور اس کی شعلوں کی لپک لیے دہکتی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھنے لگی۔

"کمال کرتے ہیں آپ بھی۔۔۔ میں کاظمی کی دوست ہوں اور کاظمی تمہارا۔ پھر میرا تو فرض بنتا ہے کہ میں تمہیں بہترین کمپنی دوں۔" وہ بہت نشیلے انداز میں بولتے ہوئے اس کے قریب ہوگئی اور بے تکلفی سے

ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔ وہ تھوڑا سا جھکا اور سیدھا اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا وہ بے حد سکون سے مسکرائی جیسے شکار قابو میں آگیا ہو۔ "کم از کم ایک بات تو آج پوری طرح مجھ پر واضح ہو گئی کہ ریڈ ایریا سے نکل آنے کے باوجود طوائف' طوائف ہی رہتی ہے۔" وہ سلگتے ہوئے لہجے میں بولا۔ اس کی بات پر وہ یوں مسکرائی جیسے بہت محظوظ ہوئی ہو۔ پھر اسے ہلکے سے دھکیلا تو وہ صوفے پر گر پڑا۔ وہ صوفے کے بازوؤں پر دونوں ہاتھ جما کر اس پر جھکی۔ پھر بہت شریر انداز میں بولی۔

"طوائف کا مطلب پتا ہے؟ لیکن تم اس قدر معصوم سے لگتے ہو۔ لگتا ہے تمہیں خود ہی سمجھانا پڑے گا۔" وہ شاید اپنی خصلت سے مجبور تھی اس نے مزید پیش قدمی کی کوشش کی مگر ارقم کے زوردار تھپڑ نے اس کو چکرا کر رکھ دیا۔

"اب وہ تم سے خود ہی بات کرے گا۔" وہ پھنکاری تھی مگر وہ رکا نہیں' مضبوط قدموں سے چلتا باہر نکل گیا۔ اندر کی گھٹن باہر گرم شام میں مزید بڑھ گئی وہ آفس جانے کی بجائے سیدھا گھر کی طرف موٹر سائیکل اڑانے لگا۔ لان میں ہی بابا اور ربداء کے ساتھ فیصل کا ہنستا مسکراتا چہرہ نظر آگیا۔ وہ موٹر سائیکل اسٹینڈ کر کے ان کی طرف بڑھا۔

"السلام علیکم۔" وہ ڈھیلے ڈھالے انداز میں بید کی کرسی پر نیم دراز ہو گیا۔

"ختم ہو گئی آوارہ گردی؟" بابا آج کل طنز کچھ زیادہ ہی کرنے لگے تھے۔ وہ کچھ بولا نہیں ویسے بھی وہ لزا فاروقی والے واقعہ سے بہت ٹینس ہو رہا تھا۔

"میں نے فون کیا تھا اخبار کے آفس۔ تم اپنی سیٹ سے غائب تھے۔" فیصل نے انویسٹی گیشن شروع کر دی۔ تو اس نے فوراً" اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

"آپ یہ سینڈوچ لیجئے ناں۔" ربداء نے پلیٹ فیصل کے آگے کی۔

"او تھینکس۔" اس نے باچھیں پھاڑیں

"چل اندر چلیں۔ یہاں بہت گھٹن ہو رہی ہے۔" ارقم نے اسے اشارہ کیا تو وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہوا۔

"بابا میرے لیے پلیز ذرا کولڈ ڈرنک وغیرہ بھجوا دیجئے۔" وہ ربداء کو۔۔۔ نظر انداز کرتے ہوئے بولا اور فیصل کی کمر میں ہاتھ ڈالے اسے اندر لے آیا۔

"ہائے۔ یار لعنت بھیجتا ہوں میں اپنی بینک کی شاندار جاب پر۔۔۔ تو مجھے بھی اخبار کے دفتر میں نوکری دلوا دے۔"

ساری بات سننے کے بعد وہ رشک آمیز انداز میں بولا۔ پھر اس سے منت کی۔

"وہاں صرف خاکروب کی جگہ خالی ہے اگر تو چاہے تو اپلائی کر سکتا ہے۔ شکل تو معیار پر پوری اترتی ہے بس تجربے سے تو مار کھا جائے گا۔" وہ بہت شوخی سے بولا تو فیصل بدک اٹھا۔

"خبیث انسان۔۔۔" اس نے کشن اٹھا کر اسے کھینچ مارا۔ وہ بے تحاشا ہنس رہا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔ اس پر نظر پڑتے ہی وہ سیریس ہو گیا۔ اس نے اسکوائش سے بھرا جگ تپائی پر رکھا اور دونوں گلاس بھی ساتھ رکھ دیئے اور ٹرے اٹھائے واپس مڑ گئی۔ فیصل کی نظر شاید پہلی مرتبہ اس کے بالوں پر پڑی تھی۔

"واہ۔۔۔ بیوٹی فل" وہ بہت رک کر زور دے کر بولا۔ ارقم نے استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"یار تمہاری کزن کے بال بہت شاندار ہیں۔" اس کے لہجے میں ستائش اتر آئی تھی۔ ارقم نے اسے ایک جھانپڑ رسید کی۔

"بکواس بند کرو اور یہ پیو تاکہ دماغ کی گرمی نکل جائے۔" اس نے گلاس اس کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور اپنا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

"اور کاظمی کا کیا بنے گا؟" فیصل نے ایک گھونٹ میں تقریباً" آدھا گلاس خالی کر کے پوچھا۔

"اب وہ مجھ سے رابطہ کرے گا۔ اور اس گفتگو کے بعد ہی کوئی راستہ سجھائی دے گا۔ اگر تو بات چیت مناسب رخ اختیار کر گئی تو ٹھیک ہے ورنہ میں وہ سارا مواد اخبارات میں دے دوں گا۔" وہ اٹل لہجے میں

بولا۔

"اور وہ کبیر شاہ۔" فیصل نے استفہامیہ انداز میں پوچھا۔ تو وہ اپنے لیے دوسرا گلاس بھرتے ہوئے مسکرایا۔

"میں نے ذرا "ڈھنگ" کی دو تصویریں کاپیاں کرواکر تقریباً" تمام اخبارات کو پوسٹ کردی ہیں گمنام شخص کے نام سے۔ البتہ کل میرے اخبار میں یہ سب سے پہلے شائع ہوں گی کیونکہ مجھے یہ سب سے پہلے ملی ہیں۔" وہ آنکھ دبا کر بولا۔

"اور اگر کسی کو پتا چل گیا تو؟" فیصل کریدنے والے انداز میں بولا۔

"بھئی سب کو تصویریں ملیں گی بس فرق یہ ہوگا کہ ہمارے اخبار کو پہلے مل گئیں شک کا کوئی جواز ہی نہیں بنتا اور نہ ہی ان تصاویر پر میرا مونو گرام چھپا ہے۔" وہ ہلکے پھلکے انداز میں بولا اور اپنا گلاس خالی کرنے لگا۔

"یار تو بہت خطرناک کام کررہا ہے۔ سیدھی سادی رپورٹری کر۔ کیوں ان چکروں میں پڑرہا ہے۔" فیصل بہت اپنایت سے بولا وہ اس سے بہت قریب تھا اور یہ بات ارقم خود بھی مانتا تھا کہ بابا کے بعد جو شخص اس کو سمجھ سکتا ہے وہ فیصل ہی ہے۔ وہ اپنے کمرے میں ملحقہ چھوٹے کمرے میں موجود تھا جسے اس نے ڈارک روم بنا رکھا تھا۔ وہ یہاں خود ہی تصویریں ڈیویلپ کرتا تھا۔ اس نے گیلی گیلی تصاویر کو جھٹک کر ٹیبل پر احتیاط سے رکھا۔ اور خود کونے میں لگے بیسن میں ہاتھ دھونے لگا۔ اس کے دل میں تجسس اور سنسنی سی تھی۔

"زبردست۔۔۔" اس نے تھوڑی دیر بعد تصویر اٹھا کر دیکھی۔

کیا شاندار رزلٹ آیا تھا کیمرے کا۔ حالانکہ جس مصیبت سے اس نے تصویر بنائی تھی اس سے وہ اتنے شاندار رزلٹ کی توقع نہیں کررہا تھا۔ تصویروں میں کاظمی کسی نازک اندام کے ساتھ تھا۔ اس نے ایک نظر تمام تصویریں دیکھیں اور ریلیکس ہوکر سیٹی بجائی۔

کس قدر آسان ہے ان کتوں کو میدان سے بھگانا۔ کل کبیر شاہ کا دن ہے۔ انشاء اللہ کاظمی خود ہی سنبھلے گا ورنہ۔۔۔ اس نے سرشاری سے سوچا۔ اور تمام تصویریں اور کاظمی سے متعلق دیگر مواد لفافے میں ڈال کر لاک کردیا۔ اور دروازہ لاک کرکے اپنے کمرے میں چلا آیا۔ پھر خیال آیا کہ بابا کے پاس چلنا چاہیے۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی گیارہ بج رہے تھے۔ بابا تو سو چکے ہوں گے۔ وہ سوچتا ہوا ان کے کمرے تک آیا دروازہ کھول کر اندر جھانکا تو وہ بستر پر بیٹھے تھے سامنے کوئی چیز رکھی تھی۔ وہ تجسس سے بنا آواز کیے آگے بڑھا۔ پھر گہری سانس لے کر رہ گیا۔ وہ پرانی تصویریں دیکھ رہے تھے جن میں وہ اپنے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ تھے۔

"یہ کیا ہورہا ہے بابا؟"

وہ رعب دار انداز میں بولا۔ تو وہ چونکے۔ پھر پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ اسے بیٹھنے کو کہا۔

"یہ بند کریں۔ میں نے آپ کو کتنی مرتبہ کہا ہے کہ ٹینشن مت لیا کریں۔" اس نے البم بند کرکے انہیں یاد دلایا۔

"میں ٹینشن نہیں لیتا بس ٹینس ہوجاتا ہوں۔" وہ بے بسی سے بولے۔

"وجہ۔۔۔؟" س نے استفہامیہ انداز میں انہیں دیکھا۔ وہ توان کی ذرا سی تکلیف پر تڑپ اٹھتا تھا۔

"جوان بیٹی ہے میری۔۔۔" وہ چڑ کر بولے۔

"وہ آپ کی بیٹی نہیں ہے۔ آپ کو کوئی ضرورت نہیں اس کی ٹینشن لینے کی۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ انداز میں لاتعلقی نمایاں تھی۔

"بکو مت۔۔۔ وہ میری بیٹی ہے" انہوں نے فوراً" اسے ڈانٹا۔

"بابا جو آپ کو تکلیف دے مجھے وہ دنیا کی ہر بری چیز سے برا لگتا ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ انداز بے حد جذباتی تھا۔

"محض لفاظی سے کیا ہوتا ہے؟" وہ مبہم انداز میں بولے۔ تو اس نے ماتھے پر بل ڈال کر انہیں دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں کہ اس کا فرض اپنی زندگی میں ہی ادا کردوں۔ مگر وہ مجھ سے دور جائے یہ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔" وہ شکستہ سی آواز میں بولے۔ ان کا یہ انداز ارقم کو بہت تکلیف دیتا تھا۔ انہیں کمزور پڑتا تو وہ دیکھ ہی نہیں سکتا ہے۔

"بابا یہ سب اس کی وجہ سے ہوا ہے۔ اس کی آمد سے پہلے آپ بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔" وہ اکھڑے لہجے میں بولا۔

"اگر تم اس کا ذکر اسی انداز میں کرنا چاہتے ہو تو یہاں سے چلے جاؤ۔" وہ رکھائی سے بولے' انداز خفگی سے بھرپور تھا۔

"بابا پلیز۔۔۔" وہ فوراً" بے بس ہوگیا اور ان کے دونوں ہاتھ تھام لیے۔

"آپ جانتے ہیں کہ میں ہر پل آپ کو ریلیکس اور خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ بیحد سنجیدہ سنجیدہ سا ان کے دل میں اتر گیا۔

"پکی بات ہے؟" انہوں نے کچھ سوچ کر آزمانے والے انداز میں کہا۔

"بالکل۔۔۔" وہ مضبوطی سے بولا۔

"تو پھر تم میرے داماد بن جاؤ۔" انہوں نے روانی سے کہا چند لمحوں کے لیے وہ ششدر سا ان کا چہرہ دیکھے گیا ان کا جملہ ذہن سے ٹچ تو ہوا مگر سمجھنے میں اسے دقت ہوئی۔

"بابا۔۔" وہ الجھا۔ تو انہوں نے سکون سے وضاحت کی۔

"میں نے کہا نا کہ وہ میری بیٹی ہے تم یہی سمجھو کہ میں اپنی بیٹی کے رشتے کی تم سے بات کررہا ہوں۔" ان کی عجیب سی منطق پر وہ دنگ رہ گیا۔ پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ آرام کریں۔ بہت رات ہوگئی ہے۔"

وہ ان کی طرف دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔ تو وہ گہری سانس لے کر لیٹ گئے ان کی آنکھوں میں سوچوں کے سائے تھے۔

*

اگلے چند دن بہت ہنگاموں میں گزرے "کسی" نے کبیر شاہ کی پول عوام کے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔ تھوڑے ڈھکے چھپے انداز میں پہلے ارقم کے اخبار "سچائی" میں تصویریں شائع ہوئیں اس سے پہلے کہ کبیر شاہ اس کے خلاف کوئی ایکشن لیتا شام کے اخبارات بھی انہی تصاویر اور خبروں سے سج گئے۔ اسی سلسلے میں مزید رپورٹیں دے کر وہ گھر آیا تو لمحہ بھر کو ٹھٹک سا گیا۔ وہ لاؤنج کی اوپر جانے والی سیڑھیوں میں کھڑی دیوار پر اس کی تصویر اٹکانے کی کوشش کررہی تھی۔ پہلے وہ پہلی سیڑھی پر کھڑی ہوئی تو ہاتھ کیل تک نہیں پہنچا اس نے پنجوں کے بل اچک کر کوشش کی مگر بے سود۔ پھر وہ ایک سیڑھی اوپر چڑھی اور پھر سے۔۔۔ کوشش کی۔ اس کی کوشش کے نتیجے میں وہ خود پسینے میں ڈوبی ہوئی تھی وہ بے ساختہ مسکرادیا۔ آخر کار تصویر ٹنگ ہی گئی وہ گہری سانس لے کر مڑی تو شاید پاؤں پھسلا یا ویسے چکرا گئی۔ بہرحال وہ پانچویں سیڑھی سے لڑھکتی نیچے آئی تھی تو یقیناً ہمدردی کی مستحق تھی۔ اس کی چیخ پر وہ تیزی سے آگے بڑھا۔ پاس جاکے سمجھ نہیں آئی کہ اس کی کس نوعیت کی مدد کرے۔

"آر یو آل رائٹ؟" وہ پنجوں کے بل اس کے پاس بیٹھا وہ لب کاٹتی بمشکل ٹانگ سے اٹھتی ٹیسوں کو برداشت کررہی تھی۔

"جی۔۔۔" اس نے لمحہ بھر کو اس کی طرف دیکھا تو ضبط سے گلابی ہوتی آنکھیں بیساختہ چھلک گئیں۔ اس نے لمبی سیاہ گھنی پلکیں تیزی سے جھپکیں۔

وہ ششدر رہ گیا۔ اتنی خوب صورت آنکھیں۔۔۔ وہ واقعی اسم بامسمی تھی۔

ربداع۔۔۔ خوب صورت آنکھوں والی۔ پہلے تو کبھی۔۔۔ اس نے سر جھٹکا۔

"ٹھیک۔۔۔" اس نے کھڑے ہوکر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ جسے نظرانداز کرکے وہ تکلیف دباتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اس تکلف کی کیا ضرورت تھی؟" اس نے اچٹتی نظر اپنی تصویر پر ڈال کر پوچھا تو وہ خفت سے سرخ پڑ گئی۔

"یہ بابا نے کہا تھا کہ ضرور لگادوں" فوراً" وضاحت کی۔ مبادا! کچھ اور ہی نہ سمجھ لے۔ اس نے محض سر ہلادیا۔

"کھانا کھائیں گے آپ؟" وہ ایسے اس کے بالمقابل کھڑے ہونے پر الجھن محسوس کررہی تھی نروس ہونے لگی۔

"نہیں.... مجھے آپ سے...." وہ کچھ کہتے ہوئے اٹکا۔ "تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" وہ سوچ کر بولا تو وہ اس کی بے تکلفی پر حیران ہوئی۔ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا اور خود دوسرے صوفے پر بیٹھ گیا۔

"تم اچھی طرح جانتی ہو کہ بابا آج کل بہت ٹینس رہنے لگے ہیں۔" اس نے تمہید باندھی وہ حیرت زدہ سی اپنے اس اکھڑ اور مغرور سے تایا زاد کو دیکھ رہی تھی جو اسے غلط نگاہ سے بھی نہیں دیکھتا تھا۔ کجا کہ اتنی گھریلو ڈسکشن۔ "اور وجہ کیا ہے یہ بھی تم جانتی ہوگی؟"

وہ رک کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"وہ آپ کی طرف سے پریشان ہیں۔" اس نے اثبات میں سر ہلا کر وضاحت کی تو وہ استعجاب سے اسے دیکھنے لگا۔

"وہ.... وہ کہہ رہے تھے کہ آپ شادی نہیں کرنا چاہتے۔ اور یہ بھی کہ ایک بہت اچھی، خوب صورت لڑکی انہوں نے آپ کے لیے پسند کی ہے مگر آپ ان کی یہ خواہش پوری نہیں کررہے اس لیے...." وہ بہت جھجک، اٹک کر کہہ رہی تھی۔ ارقم نے اس کی گھنی بھیگی پلکوں کو بہت غور سے دیکھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ گہرے لہجے میں بولا۔ تو وہ الجھ کر اسے دیکھنے لگی۔ مگر اس کی آنکھوں میں دوستی کا کوئی رنگ نہ تھا۔ اس کے تاثرات اس کے الفاظ سے میل نہیں کھا رہے تھے۔ اس کا مطلب تھا کہ وہ بغرض دوستی یا بحیثیت کزن اس سے یہ انٹرویو نہیں لے رہا تھا۔ وہ کھٹک سی گئی۔ پھر بڑی محتاط سی صاف گوئی سے بولی۔

"ویسے تو یہ آپ کا پرسنل میٹر ہے لیکن اگر بابا کے کہنے کے مطابق لڑکی واقعی ویسی ہے جیسی وہ کہتے ہیں تو آپ کو اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔"

"ہوں...." وہ آگے جھک کر دونوں کہنیاں گھٹنوں پر ٹکائے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں پھنسائے پر سوچ انداز میں بولا۔

"دراصل بابا میرے لیے دنیا کی ہر شے سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ انہیں ذرا سی بھی تکلیف پہنچے میں برداشت نہیں کرسکتا کجا کہ وہ رات بھر فکروں میں غرق رہیں۔ اور آج کل انہیں جو پریشانی ہے وہ اتنی آسانی سے حل ہونے والی نہیں ہے۔ کیونکہ جو طریقہ بابا بتا رہے ہیں۔ وہ میرے لیے قابل قبول نہیں ہے۔" وہ پیشانی پر ہلکی ہلکی شکنیں لیے سنجیدگی و سرد مہری سے بول رہا تھا۔ "لیکن بہرحال میں انہیں مایوس نہیں کرسکتا۔ وہ لڑکی اگر خوب صورت نہ بھی ہوتی تو میرے لیے کوئی مسئلہ نہیں تھا کیونکہ شادی میرا مسئلہ کبھی بھی نہیں رہا میں بس اس بوجھ کو بابا کے ذہن سے اتار پھینکنا چاہتا ہوں اور.... اس سلسلے میں تمہیں میری مدد کرنی ہے۔" وہ اچانک اس سے مخاطب ہوا تو وہ گڑبڑا گئی۔

"مم.... میں....؟"

"ہاں.... تم...." وہ بے حد اطمینان سے بولا۔

"کیونکہ بابا نے تمہیں ہی میرے لیے سلیکٹ کیا ہے۔"

اسے یوں لگا جیسے اس کے وجود سے کسی نے بم باندھ کر اس کے پرخچے اڑا دیئے ہوں۔ آنکھوں کے سامنے اس کی روشن صورت اس قدر تیزی سے دھندلا گئی کہ وہ ان چمکتے ستاروں کو چھپا بھی نہیں پائی۔ وہ لب بھینچے اٹھ کھڑا ہوا۔

"تم چاہو تو بابا سے خود بات کرسکتی ہو۔ لیکن تمہارا جواب ہاں میں ہی ہونا چاہیے کیونکہ بابا یہی چاہتے ہیں کہ تم شادی کے بعد ہمیشہ ان کے پاس ہی رہو اور کوئی گھر داماد تو ہم افورڈ کر نہیں سکتے اس لیے شاید میں ہی بہتر رہوں گا۔" وہ ان کاموں میں سدا کا اناڑی تھا۔ وہ سمجھ نہیں رہا تھا کہ اس کے الفاظ حساسیت کی گہرائیوں کو چھوتی لڑکی کو کس کس طرح

سے زخمی کر رہے ہیں۔ وہ بہت سرد اور سپاٹ لہجے میں گویا حکم سنا گیا تھا۔ ایک مرتبہ پھر یتیمی کا احساس اس پر شدت سے حاوی ہونے لگا۔ سائبان سر پر ہو تو زمانے کی سرد و گرم ہوا یا طوفان اس سے ٹکرا کر پلٹ جاتے ہیں مگر یہاں تو یہ عالم تھا کہ دیوار گرتے ہی سب نے راستے بنانے کی فکر کی تھی۔ اس نے تپتی آنکھوں کو موند کر سر گھٹنوں پر رکھا تو کئی ستارے پلکوں کی باڑ سے ٹوٹ کر گرنے لگے۔

*

اور بابا نے اس سے پوچھا تو اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا انہوں نے اسے اپنی پر شفقت آغوش میں چھپا لیا تو وہ ان بانہوں کے حصار میں اسی خوشبو کو ڈھونڈنے لگی جو اباجی کی کمی محسوس نہیں ہونے دیتی تھی۔

"تم دیکھنا وہ بہت اچھا ہے۔ بس اپنے آپ کو سینت سینت کر رکھنا اس کی عادت بن گیا ہے اکلوتا ہے نا اس لیے۔ شاید ماں ہوتی تو ایسا نہ ہوتا۔ بس تھوڑا سا بے نیاز اور مغرور سا ہے۔ مگر میں جانتا ہوں کہ تمہیں وہ بہت خوش رکھے گا۔" وہ اس کا سر سہلاتے ہوئے بہت پیار سے بیٹے کا ذکر کر رہے تھے۔

"آپ کی خوشی بابا..." وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

"اور تم....؟" وہ کھٹکے۔

"آپ اور میں علیحدہ تھوڑی ہیں بابا۔" وہ رو دی تو انہوں نے نم آنکھوں سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔

بہت سادگی سے نکاح اور ساتھ ہی ولیمہ کی تقریب بھی کر دی گئی۔ فیصل نے بہت واویلا مچایا۔

"اچھا ہے یار ایک ہی دن بلکہ تین گھنٹوں میں کام ختم ہوا۔ کل بھی کولڈ ڈرنک ہی ملنی تھی آج ہی دو تین پی لو۔" صفدر نے ہنس کر کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ یار کوئی دھوم دھڑکا تو ہونا چاہئے تھا۔" عابد ذکی نے آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

"اور کل تیرے اخبار کے فرنٹ پیج پر دولہے کی تصویر ہوتی ساتھ میں کوئی دفعہ بھی لگی ہوتی۔" صفدر نے اسے رگیدا تو سب ہنس دیئے۔

"چلو پھر سہی۔" ارقم بہت سنجیدہ سی شرارت سے بولا تو فیصل نے اسے ایک دھموکا جڑ دیا۔

"کہاں تو ایک پر راضی نہیں تھا اور اب ایک پر اکتفا نہیں ہو رہا۔" اس کے برجستہ جملے پر وہ سب کی ہنسی سن کر جھینپ گیا۔ اور لیے دیئے رہنے والے تھوڑے تھوڑے مغرور سے ارقم نیازی کا یہ روپ سب کو بہت لطف دے گیا۔

"اور تو تو کہہ رہا تھا کہ شادی ہو نہیں جاتی کی جاتی ہے؟" فیصل کو یاد آ گیا۔

"تو ہاں نا... میں کر رہا ہوں اپنی مرضی سے" اس نے اطمینان سے تسلیم کیا۔

"شکر ہے میرے مولا ورنہ آخری وقت تک میں یہی سمجھتا رہا کہ تمہاری کنپٹی پر پستول رکھ کر ہاں کروانی پڑے گی۔" صفدر نے اسے چڑایا۔

"اور ادھر بے قراری کا یہ عالم تھا کہ خود ہی صفحے پر صفحہ الٹ کر بنا پوچھے سائن کیے جا رہے ہیں وہ تو بیچارے قاضی صاحب نے بوکھلا کر ہاتھ پکڑ لیا میاں تم اگلا نکاح نامہ بھی سائن کیے دے رہے ہو تب جا کر موصوف کو اعتبار آیا کہ ان کا نکاح تین سائن کرنے پر ہی پکا ہو گیا تھا۔" عابد کچھ اس درجہ شرارت سے بول رہا تھا کہ سب بیساختہ ہنس رہے تھے۔ حتیٰ کہ ارقم بھی ہنسے بغیر نہیں رہ سکا۔

"بہت فضول بکتے ہو تم..." اس نے مصنوعی خفگی سے اسے گھورا۔

"یہ جھوٹ کہہ رہا ہے۔" صفدر نے عابد کو تسلی دیتے ہوئے ارقم کی بات کی نفی کی۔ "تم بہت ٹھیک بکتے ہو۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اس کی بات پر عابد اسے مارنے کو لپکا مگر وہ ہاتھ نہیں آیا۔

رات گئے وہ اپنے کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے دوستوں کی ضد کے باوجود کمرے کی سیٹنگ بالکل نہیں بدلی تھی اور نہ ہی کوئی ڈیکوریشن کرنے دی

Digestlibrary.com

تھیس فیصل تو بے حد تپا ہوا تھا۔
"رہنے دو اسے یونہی اجاڑ و بیابان جنگل بنا۔" اور وہ بہت ہنسا تھا۔ اور اب جبکہ کمرہ بالکل ویسا ہی تھا تب بھی اسے عجیب سا لگ رہا تھا بچپن سے لے کر اب تک وہ اس کمرے کا بلا شرکت غیرے مالک رہا تھا مگر اب وہ اندر داخل ہوا تو اسی بے تکلفی کا مظاہرہ نہیں کر پایا۔ اس کے برعکس اس نے اپنی زندگی میں پہلی مرتبہ ڈور لاک کیا۔ چند لمحے کچھ سوچا پھر آگے بڑھ کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ وہ نہ تو بہت بھاری بھرکم لباس پہنے ہوئے تھی اور نہ ہی زیورات سے لدی ہوئی تھی اس کے برعکس وہ ویلوٹ کی میرون شلوار قمیص پر دوپٹہ اوڑھے کہیں سے بھی دلہن نہیں لگ رہی تھی۔ البتہ بابا کا دیا ہولا کٹ سیٹ اس نے مجبوراً" پہنا تھا۔ یوں لگ رہا تھا کہ وہ شادی میں شرکت کرنے آئی ہو۔ اسے بیٹھتے دیکھ کر اس نے بہت چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں شدت گریہ اور کچھ نیند کی وجہ سے تپ کر گلابی ہو رہی تھیں۔ وہ کھنکارا۔
"پتا نہیں تم کیا سوچ رہی ہو گی۔ آئی ڈونٹ نو.... لیکن میں آج بہت ہی پرسکون ہوں کیونکہ بابا بہت خوش ہیں۔" وہ اپنے مخصوص بے نیازانہ انداز میں بولا تو ربداء کا بے اختیار دل چاہا کہ پوچھے۔ "اور تم....؟"
"بابا تمہاری وجہ سے بہت پریشان تھے اور میں بہت خوش ہوں کہ ان کا بوجھ میں نے اتار دیا ہے۔" وہ ملکے سے تفاخر کے ساتھ بولا اور پھر جیب ٹٹول کر انگوٹھی نکالی اور اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے پہنا دی۔ اس کا مہندی سے بے نیاز ہاتھ انگوٹھی سے ہی دمک اٹھا وہ چند لمحے اس کا ہاتھ دیکھتا رہا پھر اس نے خود ہی جھٹکے سے ہاتھ کھینچا۔
"ان کا بوجھ تو اتار دیا مگر مجھے تو سدا کے لیے احسانوں کے بوجھ تلے دبا دیا ہے۔" وہ بھیگی تلخ آواز میں بولی تو وہ بے تحاشا چونک گیا۔
"کیا مطلب....؟" اس نے ابرو اچکا کر تیکھے لہجے میں پوچھا۔
"آپ بچے نہیں ہیں۔" وہ چڑ کر بولی اور بستر سے اترنے لگی۔ اس نے اس کی کلائی پکڑ کر اسے روکا۔
"نہ تو یہ کوئی ڈرامہ یا فلم ہے اور نہ ہی زنانہ رسالے کی لو اسٹوری۔ کہ تم آج کی رات صوفے پر گزار دو اور میں سگریٹ سلگا سلگا کر' زندگی بچوں کا کھیل نہیں جوان تصوراتی اور افسانوی باتوں سے گزر جائے۔" وہ سنجیدگی سے بولتے ہوئے ٹائی کی ناٹ ڈھیلی کرنے لگا۔ پھر جھک کر شوز اتارنے لگا۔
"تو کیا یہ ضروری ہے کہ آپ مجھے بار بار یہ احساس دلائیں کہ میں آپ کے لیے صرف ایک بوجھ ہوں؟" وہ غصے سے بولی۔ تو وہ ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگا۔
"آئی ایم سوری اگر تم ہرٹ ہوئی ہو تو۔ اپیچوئلی میں بہت صاف گو بندہ ہوں۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بولا۔
"مجھے آپ کی صاف گوئی سے کوئی مطلب نہیں۔ مگر آپ مجھ سے دور ہی رہیئے۔" وہ ایک دم سے بولی تو اس کی چمکتی براؤن آنکھوں میں بے تحاشا حیرت بھر گئی۔
"آئی ڈونٹ بلیوس کہ تم اس قدر بے وقوف ہو سکتی ہو۔ ایک قطعی اجنبی شخص کے بیڈ روم میں کسی اجنبی لڑکی کو تو یہ الفاظ سوٹ کرتے ہیں مگر ایک بیوی ایسی بات کرے تو کچھ عجیب سا نہیں لگتا؟" وہ ناگواری سے بولا مگر وہ سن کب رہی تھی پھر سے اٹھنے لگی۔ اب کی بار اس نے جھٹکے سے اسے کھینچا وہ بستر پر گر پڑی۔ اس نے اس کا چائنہ سلک کا ملائم دوپٹہ دونوں ہاتھوں سے لپیٹا۔ تو وہ اپنے آپ میں سمٹ سی گئی۔
"میں نے کہا نا کہ اس طرح کے واقعات صرف افسانوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ میں ہر رشتے کو اس کا حقیقی مقام دیتا ہوں۔" وہ اس کے ہراساں اور سہمے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔
"دیکھیں.... آپ.... آپ نے بابا کا کہا پورا کر دیا۔ بس اتنا ہی کافی ہے...." وہ سوکھے لبوں پر زبان پھیر کر بھرائی ہوئی آواز میں بولی تو وہ حیرت و استعجاب میں گھرا اسے دیکھنے لگا۔ اس کی آنکھیں بھیگ کر اور بھی قیامت ڈھا رہی تھیں۔ اس نے دوپٹہ کھول کر اس کے شانوں پر ڈالا تو اس نے سکون کی سانس لی دوسرے ہی

پل اس نے دوپٹے کے دونوں پلووں کو جھٹکا دیا تو وہ اس کے انتہائی قریب آ گئی۔ وہ بوکھلا گئی تھی۔

"آ۔۔۔" وہ کچھ کہنے لگی تھی کہ وہ اس کے لبوں پر انگلی رکھ کر اسے خاموش کرا گیا۔ وہ متوحش سی اسے دیکھے گئی۔

"میں نے کہا نا کہ میں ہر شتے کو اس کا حقیقی مقام دینے پر بلیو کرتا ہوں۔" اس نے بے حد سلگتے ہوئے لہجے میں کہا۔ وہ اس قدر قریب تھا کہ سانس اس کے چہرے کو سلگا رہی تھی اس نے بہت بے بسی سے آنکھیں موند لیں۔

*

کئی دنوں سے وہ کاظمی کے خلاف مزید شواہد اکٹھے کرنے کی دھن میں مگن تھا۔ بابا سے کئی مرتبہ ڈانٹ کھا کر بھی وہ ٹائم پر گھر نہیں آ پا رہا تھا۔

"آج اگر لیٹ ہو گیا تو بابا سے کہہ دینا کہ میں سو رہا ہوں اور گیٹ بھی کھولنا اور۔۔۔ ہاں ڈور بیل نہیں بجاؤں گا وسل پر گیٹ کھول دینا۔"

وہ اسے اچھی طرح بریف کر کے گیا تھا۔ اور اب ڈیڑھ بج چکا تھا اور ابھی تک وہ گھر نہیں آیا تھا۔ وہ پچھتانے لگی۔ کاش بابا کو سچ بتا دیتی۔ اس نے رسٹ واچ دیکھی۔ اب تو نیند بھی آنے لگی تھی۔ تبھی ہلکی سی وسل سنائی دی تو وہ جلدی سے اٹھی۔ بالکل ارقم کی وسلنگ کا اسٹائل تھا۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی گیٹ تک پہنچی اور دبی دبی آواز میں پوچھا۔

"کون۔۔۔؟"

"میں ہوں۔۔۔" ارقم کی آواز پر اس نے احتیاط سے بغیر آواز کے گیٹ کھولا۔ بھاگنے کی وجہ سے ویسے ہی سانس پھول رہی تھی۔

"اتنی دیر۔۔۔؟" نا چاہتے ہوئے بھی منہ سے پھسل گیا۔ پھر وہ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر اندر چلی گئی۔ وہ گیٹ بند کر کے اس کے پیچھے آ گیا۔ موٹر سائیکل وہ لے کر ہی نہیں گیا تھا۔ اس لیے بچت ہو گئی تھی ورنہ اس کی آواز پر بابا تو کیا پورا محلہ جاگ جاتا تھا۔ وہ کمرے میں پہنچا تو وہ سونے کی تیاری کر رہی تھی۔ وہ صوفے پر ریلیکس ہو کر بیٹھ گیا۔

"کھانا لاؤں آپ کے لیے۔۔۔؟" اسے دھیان آیا تو اس کی طرف پلٹی مگر وہ اس کی طرف نہیں بلکہ اپنے خون آلود بازو کی طرف متوجہ تھا۔ وہ بہ سرعت آگے بڑھی۔ اس کی شرٹ خون اور پسینے سے بھیگی ہوئی تھی۔

"یہ۔۔۔ کیا ہوا؟" وہ ہراساں تھی۔ ارقم نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر بازو سے پرے کیا۔ اور ازلی بے نیازی سے بولا۔

"بس۔۔۔ ذرا سی گولی چھو کر گزر گئی ہے۔"

"گولی۔۔۔" اس کا سانس اٹکنے لگا۔

"تم ایسا کرو فرسٹ ایڈ بکس لے کر آؤ۔۔۔" وہ اطمینان سے بولا تو وہ سرپٹ باتھ روم کی طرف بھاگی۔ وہ سامان لے کر آئی تو وہ آنکھیں موندے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔

"ارقم۔۔۔" خوف اور دہشت میں گھر کر وہ بے ساختہ اسے پکار بیٹھی تو اس نے چونک کر خوابیدہ آنکھوں سے اسے دیکھا وہ اپنی بے اختیاری پر نادم سی ہو گئی۔ پھر اس نے خود اس کی شرٹ اتروائی۔ وہ اسے گائیڈ کر رہا تھا کہ کس طرح زخم کو صاف کرنا ہے۔ گولی گوشت کو چیر کر گزری تھی زیادہ نقصان وہ زخم نہیں تھا مگر خون کافی بہہ رہا تھا۔ روئی کو اچھی طرح اسپرٹ میں بھگو کر وہ زخم صاف کرنے لگی تو اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ وہ بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ بھیگتی پلکیں، اور نچلا لب دانتوں تلے کچلتی وہ خود پر بمشکل قابو پائے ہوئی تھی اس کے ہاتھوں کی ٹھنڈک تپتے بازو پر وہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ وہ اسپرٹ میں بھیگے ہوئے کاٹن کو زخم کے آس پاس پھیر رہی تھی۔

"کم آن یار۔۔۔ زخم پر لگاؤ" وہ جھنجلایا۔

"وہ۔۔۔ آپ کو تکلیف ہو گی۔" وہ جیسے خود بہت تکلیف سے بولی۔

"اس سے زیادہ تکلیف کیا ہو گی۔" اس نے زخم کی طرف اشارہ کیا تو اس نے دل کڑا کر کے زخم صاف کرنا شروع کر دیا۔ ارقم کا چہرہ سفید ہو رہا تھا مگر وہ بہت

ضبط سے اسے ہدایات دے رہا تھا۔ اس نے لرزتے ہاتھوں سے اسے پٹی باندھی۔

"زخم کے اوپر گرہ مت لگاؤ۔ یہاں سائیڈ پر....." وہ لب بھینچ کر بولا۔ سامان سمیٹ کر وہ جلدی سے اس کے لیے گرم گرم دودھ کا گلاس لے آئی۔ وہ غنودگی میں تھا۔ اس نے آہستہ سے اسے پکارا۔

"یہ..... پی لیجیے۔"

"ہوں....." اس نے مندی مندی آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس نے دل کڑا کر کے گلاس اس کے لبوں سے لگا دیا۔ اسے یوں نڈھال دیکھ کر اسے رونا آرہا تھا۔ خدا کا شکر تھا کہ جان بچ گئی تھی۔ وہ لرز کر رہ گئی۔

"آپ بستر پر آجائیں ناں۔" اس نے اس کا بایاں بازو پکڑ کر سہارا دیا۔ یہ پہلی بار تھا کہ وہ اپنی مرضی سے اس کے اتنے نزدیک ہوئی تھی۔ وہ اٹھ کر بستر پر آگیا۔

"بابا سے کچھ مت کہنا۔ کہنا کہ میں چھٹی پر ہوں۔ اور پلیز! میرے جوتے اتار دینا۔" وہ غنودہ سی آواز میں بولا تو وہ فوراً اس کے جوتے کھولنے لگی۔ اے سی کی خنک فضا نے اسے لمحوں میں غافل کر دیا تھا۔ وہ لائٹ آف کیے بغیر اپنی جگہ پر آگئی۔ نیند آنکھوں سے اڑ گئی تھی۔ ذہن میں بس ایک ہی جملے کی تکرار تھی۔

اگر کچھ ہو جاتا تو.....؟

اس نے بھٹکتی نظریں اس کے چہرے پر جمائیں۔ وہ مغرور اور اکھڑ سا ارقم نیازی اس لمحے کتنا معصوم دکھائی دے رہا تھا۔ جو کسی کے جذبات کا خیال نہیں کرتا تھا۔ نازک خیالی جسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی۔ اس کا دل یکایک اس کے پیار سے لبالب بھر گیا۔ اس نے بہت آہستہ سے جھک کر اس کی پیشانی اور پھر آنکھوں کو..... چھوا تھا۔

وہ بابا کے لیے جلدی جلدی ناشتا بنا رہی تھی۔ اس نے تازہ اورنج جوس کا گلاس ان کے سامنے رکھا اور خود بھی ناشتا کرنے لگی۔

"وہ نالائق کہاں ہے؟ کل سے مجھے ملا نہیں۔" انہوں نے گلاس اٹھاتے ہوئے ارقم سے متعلق ناراضگی کا اظہار کیا تو وہ ذرا سٹپٹا گئی۔

"وہ..... وہ کہہ رہے تھے کہ آج آفس نہیں جائیں گے۔ ابھی سو رہے ہیں۔"

"یعنی آج خود ہی اس سے مل کر جانا پڑے گا۔" وہ خود کلامی کے انداز میں بولے تو وہ بوکھلا گئی۔

"آپ..... ناشتا تو ڈھنگ سے کریں۔" ان کا دھیان بٹانا چاہا۔ تو وہ دو تین گھونٹ میں گلاس خالی کر کے نیپکن سے ہونٹ صاف کرتے اٹھ گئے۔

"بس کر لیا ہے ناشتا..... میں ذرا اس گدھے سے مل لوں۔"

وہ اٹھ کر ہلکے پھلکے انداز میں کہتے ہوئے اس کے بیڈ روم کی طرف بڑھے تو وہ لب کاٹتی بے چین سی ان کے پیچھے لپکی۔ وہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے تھے وہ جانتی تھی کہ بابا کے لیے وہ کیا حیثیت رکھتا ہے اور اسے اس حالت میں دیکھ کر ان کی کیا حالت ہوگی یہ بھی اس کی سانس روک دینے کو کافی تھا اس نے ہراساں ہو کر اندر دیکھا تو اطمینان کی طویل سانس اس کے حلق سے خارج ہوئی۔ وہ شانوں تک سفید چادر اوڑھے لیٹا تھا بس بایاں بازو باہر تھا۔ انہوں نے جھک کر اس کی پیشانی چومی۔ پھر اس کی طرف مڑے۔

"سو رہا ہے..... اچھا ہے خوب آرام کرنے دو جانے کہاں کہاں مارا پھرتا ہے۔" ان کے لہجے میں اس کے لیے پیار اور محسوس کی جانے والی شفقت تھی وہ بمشکل مسکرائی۔ اس کی تمام تر توجہ ارقم کی صوفے پر پڑی خون آلود شرٹ پر تھی۔

"آپ چلیں آفس سے لیٹ ہو رہے ہیں۔" وہ جلدی سے بولی مبادا ان کی نظر شرٹ پر پڑ جائے۔

"اوہ..... ہاں۔ یو آر رائٹ۔ آج ایک بہت امپورٹینٹ میٹنگ ہے میری۔" وہ اچانک یاد آنے پر تیزی سے باہر لپکے۔ تو اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر ارقم کی شرٹ اٹھائی اور لپیٹ کر الماری کے نچلے خانے میں ٹھونس دی۔ مڑ کر ایک نظر بے سدھ سوئے ارقم کی طرف دیکھا اس کے پاس آکر آہستہ سے اپنا ہاتھ اس کی پیشانی پر رکھا۔ پھر مطمئن سی ہو کر وہ باہر نکل

آئی۔

"ارقم جاگے تو اسے کہیں نکلنے مت دینا۔" بابا نے فائلیں چیک کر کے بریف کیس لاک کرتے ہوئے کہا۔ تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"اوکے۔۔۔ خدا حافظ۔"

انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور۔۔۔ گاڑی کا دروازہ کھول کر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گئے۔ بابا نے گاڑی اسٹارٹ کی تو وہ ہاتھ ہلانے لگی۔ بابا مسکرا دیئے۔

ان کے جانے کے بعد اس نے گیٹ بند کیا اور اندر آگئی۔ پہلے ڈائننگ ٹیبل پر سے برتن اٹھا کر کچن میں رکھے اور پھر ارقم سے ناشتے کے متعلق پوچھنے کے لیے اندر آگئی۔ وہ بستر پر نہیں تھا۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ وہ چادر تہہ کر کے بیڈ شیٹ ٹھیک کرنے لگی۔ تب وہ باتھ ڈور کھول کر نکلا وہ سیدھی ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئی وہ قدرے جھنجلایا ہوا تھا۔

"میرا ٹاول کہاں ہے؟" وہ ناگواری سے بولا تو وہ جلدی سے الماری کی طرف بڑھی گئی دھلے ہوئے کپڑوں کے ساتھ اس نے ٹاول بھی تہہ لگا کر الماری میں رکھ دیا تھا اس نے ٹاول نکال کر اسے پکڑایا وہ ٹاول سے رگڑ رگڑ کر بال خشک کرنے لگا۔

"آپ سے کس نے کہا نہانے کو۔۔۔ پٹی بھیگ گئی ہوگی۔" وہ پر تشویش انداز میں بولی۔ تو وہ منہ بھینچتے ہوئے ٹھٹکا۔ پھر بے تاثر لہجے میں بولا۔

"صرف سر دھویا ہے اور چہرہ۔"

"اچھا۔۔۔ میں ناشتا لاؤں آپ کے لیے؟ کیا لیں گے آپ؟" وہ مطمئن سی ہو کر پوچھنے لگی۔ چند لمحے وہ اسے دیکھے گیا پھر جب وہ کنفیوز ہونے لگی تو گہری سانس لے کر ٹاول بستر پر اچھال کر صوفے پر آگیا۔ وہ ٹاول اٹھا کر باتھ روم میں لٹکا آئی۔

"میں آپ کے لیے جوس لے کر آتی ہوں' بابا کہہ رہے تھے آج آپ گھر میں رہئے گا۔" وہ روانی سے کہتے ہوئی باہر نکلی۔ اس کے لیے جلدی سے جوس نکال کر لائی تو وہ ٹانگیں سینٹر ٹیبل پر پھیلائے بیٹھا تھا۔ اس نے ٹرے کارپٹ پر رکھی اور جگ میں سے جوس گلاس میں انڈیلا۔

"یہ لیں۔۔۔" اس نے ٹیبل کی ٹاپ انگلی سے کھٹکھٹا کر اسے متوجہ کیا تو وہ سیدھا ہو بیٹھا۔ اور گلاس تھام لیا۔

"بابا سے کچھ کہا تو نہیں تم نے؟" وہ ہلکا سا سپ لے کر ذائقہ محسوس کرتے ہوئے استفسار کرنے لگا۔

"بیوقوف نہیں ہوں۔" وہ گویا برا مان کر بولی۔

"اوہ۔۔۔" وہ اس انداز میں سر کو جنبش دے کر بولا جیسے سارا مسئلہ سمجھ میں آگیا ہو۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

"بابا آپ کو دیکھنے آئے تھے۔ تب آپ سو رہے تھے۔" اس نے خفت دور کرنے کے لیے بات شروع کی تو وہ گھونٹ بھرتے ہوئے ٹھٹکا۔

"ویسے۔۔۔ یہ ہوا کیسے؟" وہ بہت اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔ اس نے بڑی بیساختہ جانچتی نظر اس پر ڈالی تھی وہ دونوں گھٹنوں کے بل کارپٹ پر بیٹھی تھی ہاتھ گود میں رکھے تھے۔ بالوں کی موٹی سی چٹیا دائیں شانے پر لٹک رہی تھی۔ بالکل سادہ سا انداز تھا اس کا۔ خوب صورت آنکھوں میں ہلکا سا گلابی پن تھا۔

"کیا یہ بہت پرسنل نہیں ہو جائے گا؟" وہ سپاٹ انداز میں بولا تو اسے پھر سے خفت کا سامنا کرنا پڑا اور یہ نظارہ ارقم کے لیے بہت انوکھا تھا۔ پہلے اس کی بات پر اس کا چہرہ ایک دم سرخ ہوا پھر لب کاٹ کر پلکیں جھپکتی وہ اس سے نظریں موڑ گئی۔ اس کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ کی رمق بیدار ہوئی۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی وہ متواتر اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔

"میرے کپڑے نکال دینا۔"

اس کی بات سن کر وہ الماری کی طرف بڑھی اور اس کے استری شدہ ہینگ کیے ہوئے کپڑے نکال کر بستر پر پھیلائے۔

"بنیان بھی نکال دینا۔ اس کا تو خانہ خراب ہو گیا ہے۔"

اس نے جگ میں سے مزید جوس گلاس میں انڈیلتے ہوئے کہا تو وہ اس کے حکم کی تعمیل کرنے لگی۔

Digest Novel Zone Group

"ربداع..."
یہ کیا ہوا تھا؟ اس نے پکارا تھا یا کوئی ستارہ سرِ شام آسمان پر چمک اٹھا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے ساون کی پہلی پھوار نے اس کے تن من کو بھگو دیا ہو۔ فوراً" پلٹ کر اسے دیکھا۔ وہ اسی کی طرف متوجہ تھا۔

"یہاں آؤ..." بے حد سکون سے اس نے بلایا تو اس کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ وہ جیسے زبردستی چلتے ہوئے اس کے پاس گئی۔

"بیٹھو" اس نے اپنے پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ تو وہ چپ چاپ بیٹھ گئی۔ وہ رخ اس کی طرف موڑ کر بیٹھ گیا۔ پھر بولا۔

"آئی ایم سوری... میں اس قدر روڈ ہو جاتا ہوں کہ خیال نہیں رکھ پاتا تمہارا' زندگی میں یہ میرا پہلا تجربہ ہے کہ میں کسی لڑکی کے اس قدر قریب ہوا ہوں۔" وہ بہت سوچ کر بول رہا تھا گویا کہ نا چاہتے ہوئے بول رہا تھا۔ اس کی پلکیں بھاری ہو کر جھک گئیں۔ وہ کہنے لگا۔ "ہو سکتا ہے کہ میری پوری... ہماری پوری لائف اسی طرح گزر جاتی مگر کل جب یہ حادثہ ہوا تو مجھے جانتی ہو سب سے پہلے کس کا خیال آیا؟" وہ اس سے پوچھنے لگا تو وہ جیسے فوراً" بوجھ گئی۔

"بابا کا۔"

"اوں ہوں..." اس نے ہلکی سی آواز کے ساتھ نفی میں سر ہلایا۔ پھر اس کی حیرت و استعجاب سے بھری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا۔

"مجھے ان کا خیال نہیں آیا۔ اس لیے کہ ان کے ہر معاملے میں' میں ان کے ساتھ ہمیشہ فیئر رہا ہوں۔ اس وقت میں نے صرف تمہیں سوچا تھا۔" وہ دھیمے لہجے میں بولتا ذرا رکا تو اسے لگا۔ زمانے کی رفتار رک گئی ہو اس کی دھڑکنیں رک گئی ہوں۔ کتنا معتبر کر رہا تھا وہ اسے۔

"تب میرے ذہن میں صرف یہی بات تھی کہ اگر میں مر جاتا تو تمہارے دل کی نفرت اندر ہی رہ جاتی۔ میں کتنا گناہ گار ٹھہرتا۔ زندگی میں تو کبھی نہ کبھی شاید میں تمہیں تنگ کرنے کا ازالہ کر ہی دوں لیکن اگر میں مر جاتا تو کتنی بڑی حسرت ساتھ لے جاتا اپنے دل میں... کہ کاش تم میری طرف سے بدگمان نہ ہو۔"

"پلیز..." وہ بیساختہ اس کے لبوں پر لرزتی کانپتی انگلیاں رکھ کر رو دی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ تو اس نے ہاتھ پیچھے کھینچ لیا۔

"یوں مت کہیں۔ آپ کو تو کسی کی دلجوئی کرنا بھی نہیں آتی۔" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولی۔

"دیکھو باقی سب... یعنی میری نیچر بدل نہیں سکتی۔ لیکن میں کوشش کروں گا کہ..."

وہ بدقت تمام اس طرح کی گفتگو کر رہا تھا۔ اس کی فطرت اس کی انا اسے روک رہی تھی مگر دل و دماغ کا فیصلہ تھا کہ بولتا جائے مگر وہ درمیان ہی میں اس کی ذہنی کشمکش کا احساس کر کے ٹوک گئی۔

"میں بہت خوش ہوں یہاں۔" وہ دھیمی آواز میں نظریں جھکا کر بولی۔

"میں جانتا ہوں جتنی خوش تم ہو۔" وہ سیدھا ہو کر بیٹھا۔

"میں ناشتا بناتی ہوں آپ کپڑے بدل لیجیے۔" وہ بات بدل کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

*

"بس تھوڑے سے ثبوت مل جائیں تو کاظمی کا ڈبہ گول ہے۔" وہ فون پر فیصل سے محو گفتگو تھا۔ اس وقت وہ اخبار کے دفتر میں اپنی سیٹ پر براجمان تھا۔ اس سلسلے میں میرا خیال ہے کہ ایس پی مظہر رحمٰن اس کام کے لیے بیسٹ ہے" فیصل نے اپنا خیال پیش کیا تھا۔

"ہاں... ریپوٹیشن تو اچھی ہے اس بندے کی۔" وہ پر سوچ انداز میں اس کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

"ویسے یار تجھے کاظمی پر ظاہر نہیں کرنا چاہیے تھا کہ تیرے پاس کیا ثبوت ہیں۔" فیصل نے اس کو اس کی غلطی کا احساس دلایا۔ تو وہ آرام سے بولا۔

"میں پاگل نہیں ہوں کہ خود ہی اسے بتا دوں۔ اس کی اپنی بھی کچھ سورسز ہوں گی مجھ سے تو اس کے کسی بندے نے رابطہ کیا تھا کہ تمام ثبوت واپس کر دوں اور اب یہ گولی بھی اسی کے بندوں کی کارفرمائی تھی۔

البتہ بروقت بھاگ اٹھنے پر وہ مجھے پہچان نہیں پائے۔ کیمرہ میں راستے میں چھپا آیا تھا۔ سوچا یہ نہ ہو کہ ان کے ہاتھ لگ جاؤں تو یہ بھی جائے۔ لیکن بچت ہوگئی۔"

"خدا تمہیں ہر پل اپنی امان میں رکھے۔ لیکن یار تو بہت خطرناک طریقے سے کام کر رہا ہے۔ تجھے کیا پڑی ہے پرائے پھڈوں میں ٹانگ اڑانے کی۔ اگر کاظمی عیاش ہے تو کیا کریں ہم۔ اگر وہ غیر قانونی دھندوں میں ملوث ہے تو بھاڑ میں جائے۔ ہمارے پلے سے کیا جاتا ہے یار۔ کم از کم اب بھابی ہی کے متعلق سوچ لے۔" فیصل کے لہجے میں محسوس کیے جانے والے اندیشے اور تشویش تھی۔ اس کے ماتھے پر بل پڑ گئے۔

"یہی سوچ تو لے ڈوبی ہے ہمارے ملک کو۔ یاد رکھو فیصل! یہ لوگ ہمارے ملک کے دشمن ہیں انہی کی وجہ سے آج ہم کرپشن میں اس قدر آگے بڑھ چکے ہیں۔ اتنی ہی محنت یہ لوگ ملکی وسائل کی ترقی میں لگائیں تو ملک کیا سے کیا بن جائے۔ اور جتنے پیسے یہ اپنی عیاشی پر خرچ کرتے ہیں ناں اس سے کتنے ہی بچوں کی تعلیم مکمل ہو سکتی ہے۔ کئی گھروں میں چولہا جل سکتا ہے۔ یہ لوگ ہمارا کچھ کیوں نہیں لے رہے بلکہ بہت کچھ لے رہے ہیں۔ وسائل کا غلط استعمال کر رہے ہیں۔ ملک کی جڑوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔" وہ بے حد جذباتی لہجے میں بول رہا تھا۔ فیصل خاموشی سے سن رہا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی سے اپنے ملک کے بارے میں ایسے ہی جذبات رکھتا تھا اس کا یہ جذباتی غبار فیصل کے لیے کوئی نئی بات ہرگز نہیں تھی۔ وہ تھا بھی اسم با مسمی۔ ارقم! کسی سے نہ ڈرنے والا۔

"اور وہ کبیر شاہ۔ ؟ اس کی حالت تو زخمی سانپ جیسی ہو گئی ہے اس کے متعلق کیا رائے ہے تمہاری؟"

"وہ۔" ارقم نے گہری سانس لی۔ "دعا کرو کہیں وہ کاظمی سے نہ مل بیٹھے ورنہ اپنا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔"

"یہی۔ یہی بات تو میں تجھے سمجھا رہا تھا۔" فیصل فوراً" بولا۔

"بس تجھے تو موقع ملنا چاہئے مجھے بہکانے کا۔ ابلیس کے چیلے۔" وہ ہنسا۔

"اور بھابی کیسی ہیں؟" وہ ربداء کے متعلق پوچھنے لگا۔ تو آفس میں آس پاس موجود لوگوں کا خیال کر کے وہ ذرا دھیمی آواز میں بولا۔

"پہلے اور بات تھی مگر یار اب مجھے بابا کی طرح اس کی کیئر کرنا اچھا لگنے لگا ہے۔" وہ دل میں بہت دنوں سے الجھن لیے ہوئے تھا۔ اس کی بات پر فیصل نے بے اختیار ایک خوشگوار سا قہقہہ لگایا۔

"گدھے۔ تجھے اس سے محبت ہو گئی ہے" اس نے ارقم کا مذاق اڑایا اس نے اس کے انداز تخاطب پر غور نہیں کیا۔ بے یقینی اور الجھن سے بھرے لہجے میں کہا۔ "واٹ ڈو یو مین؟"

"مطلب یہ کہ بابا کی کیئر تم اس لیے کرتے ہو کہ تمہیں ان سے محبت ہے اور اب بھابی بھی اسی کیٹگری میں شامل ہو گئی ہیں۔" اس کے سمجھانے کا انداز ایسا ہی تھا جیسے وہ اسے الو کا پٹھا سمجھ رہا ہو۔

"مجھے بھی یونہی محسوس ہو رہا تھا۔ پر میں سمجھا شاید ویسے ہی وہ مجھے اچھی لگنے لگی ہے۔" وہ سادگی سے بولا تھا۔

"یو آر آسٹرینج مین یار۔" فیصل اسے جانتے ہوئے بھی حیران ہو گیا۔

"اچھا اب فون بند کر دے۔ بینک والے اس ماہ کے بل سے دیوالیہ نہ ہو جائیں کہیں۔" وہ گفتگو سمیٹ کر بولا تو اس نے ہنستے ہوئے فون رکھ دیا۔ وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ اپنے خیالوں میں غلطاں موٹر سائیکل دھیمی رفتار سے چلاتے ہوئے اٹھکیلیاں کرتی قدرے خوشگوار ہوا سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ تبھی سڑک کے موڑ پر اچانک سیاہ سیڈان اپنے طاقتور انجن سمیت غراتی ہوئی اس کی طرف بڑھی اس نے بوکھلا کر موٹر سائیکل کا رخ تبدیل کیا اور فٹ پاتھ پر ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ سیڈان چلانے والے کے قابو سے باہر ہو گئی ہے مگر جب دوسری مرتبہ پھر

سے سیڈان اس کے تعاقب میں بڑھی تو وہ کھٹکا۔ یہ یقیناً "کاظمی" کے بندے تھے۔ پہلے اس نے روپے کی پیشکش کی تھی اس کے بعد اسے حسن کی طرف مائل کرنے کی کوشش کی تھی اور اب آخر میں وہ سیڈان سے گھائل کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ تیز رفتاری سے موٹر سائیکل دوڑاتے ہوئے وہ پیچ دار گلیوں میں گھس گیا۔ تب جا کے اس منحوس گاڑی سے پیچھا چھوٹا۔ اس کا دماغ تپنے لگا تھا۔ اب کاظمی اوچھے ہتھکنڈوں پر اتر آیا تھا تو وہ سوچ رہا تھا کہ اس کا بندوبست بھی کر دیا جائے۔۔۔ گیٹ کے سامنے پہنچ کر اس نے ہارن بجایا پھر تھوڑی دیر انتظار کیا مگر کوئی گیٹ کھولنے نہیں آیا۔ چوکیدار رکھنے کا تو وہ قائل ہی نہیں تھا۔ بابا یا ربداء ہی گیٹ کھولتے تھے مگر اب وہ بھی نہیں آ رہے تھے۔

اس نے بھنے سے گیٹ کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا۔ اس کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ وہ موٹر سائیکل اندر کر کے گیٹ بند کرنے لگا پھر موٹر سائیکل پورچ میں کھڑا کیا۔ اتنی رات کو اتنی بے احتیاطی۔ وہ کڑھا۔ اب تک تو ربداء کو آجانا چاہئے تھا۔ وہ پریشان ہو اٹھا۔ یہ اس کا معمول تھا وہ اس کے ساتھ پورچ تک صبح بھی آتی اور جب وہ واپس آتا تو استقبال کو موجود ہوتی۔ اس کے ذہن میں اسپارکنگ ہونے لگی۔ وہ تیزی سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا۔ اندر بے حد خاموشی چھائی ہوئی تھی۔

"بابا۔۔۔ ربداء۔۔۔" اس نے آواز دی مگر کوئی جواب نہیں ملا وہ پاگل سا ہونے لگا۔ ڈرائنگ روم، بیڈ روم، سٹنگ روم ہر جگہ اس نے دیکھ ڈالی۔ اس کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو گئیں۔

"ہیپی برتھ ڈے۔۔۔"

وہ جھٹکے سے مڑا۔ وہ ہنستی مسکراتی کچن سے نکل رہی تھی ہاتھوں میں بیک کیا ہوا کیک تھا اور ٹیبل پر رکھ کر اسکی طرف مڑی وہ دیوار سے ٹیک لگائے آنکھیں موند کر اطمینان بھری سانس لے رہا تھا۔

"کیا ہوا؟" وہ ڈر گئی۔

"تم بولیں کیوں نہیں میں آوازیں دے رہا تھا؟"

وہ اس کی طرف بڑھا اور دل و دماغ کی بھرپور آمادگی کے ساتھ اسے بانہوں میں بھر لیا۔

"کہاں تھیں تم؟ میں کب سے تمہیں پکار رہا تھا۔" بہت بیقراری کے عالم میں بولا پھر اپنے لہجے کی شدت پر خود ہی حیران ہو گیا۔ جبکہ وہ خود اس کی از خود رفتگی پر گنگ تھی۔ اس سے پہلے کئی بار وہ اس سے قریب ہوا تھا مگر اتنی وارفتگی اور شدت اس نے پہلے محسوس نہیں کی تھی۔

"بابا اپنے کمرے میں ہیں۔" اس نے لرزتی ہوئی آواز میں گویا اسے وارن کیا۔ اس کے الفاظ نے جادو کا اثر کیا اس نے بہت آہستگی سے اسے الگ کیا اور دونوں ہاتھ اس کے شانوں پر رکھ کر تھوڑا سا جھکا اور اسے بغور دیکھنے لگا۔ اس کے اس انداز پر وہ نروس ہونے لگی۔

"میں نہیں جانتا تھا کہ تم اتنی خوب صورت ہو۔۔۔ ہاں تمہاری آنکھیں بہت اچھی ہیں اور تمہارے بال بھی۔۔۔ اور۔۔۔" وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اس کی تعریف کن لفظوں میں کرے۔ جبکہ وہ گھبرا رہی تھی۔

"آپ بیٹھیں میں بابا کو بلا کر لاتی ہوں۔۔۔" اس نے اس کی توجہ خود پر سے ہٹانے کے لیے روانی سے کہا تو وہ گہری سانس لے کر بیٹھ گیا۔ اب دل و دماغ پر سے خدشات کا بوجھ ہٹا تھا تو وہ اپنی اس قدر جذباتی و رومانی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔ وہ ماچس اٹھا کر کیک پر موم بتی جلانے لگا۔

"ہیپی برتھ ڈے بدتمیز لڑکے۔۔۔" بابا اس کے ساتھ چلے آئے اور آتے ہی اس سے مخاطب ہوئے وہ اٹھا اور فوراً ان سے لپٹ گیا۔

"تھینک یو بابا۔۔۔" جواباً وہ اسے ڈانٹنے لگے۔

"کب سے ہم تمہارا انتظار کر رہے تھے۔ کم از کم اپنی برتھ ڈے والے روز تو ٹائم پر گھر آجانا تھا۔ کوئی بھوکا بھی ہو سکتا ہے تمہارے انتظار میں۔"

"بس اتنا کافی ہے یا تھوڑا سا اور۔۔۔؟" آخری جملہ انہوں نے اس ڈانٹ سے محظوظ ہوتی ربداء سے مخاطب ہو کر کہا تو وہ بوکھلا گئی۔

''مم.... میں نے کب کہا آپ سے؟''

''او.... اچھا شاید میں خود ہی ڈانٹ رہا تھا۔'' بابا نے بات بنائی، تو وہ ربداء کی طرف دیکھ کر ہنس دیا.... پہلی مرتبہ۔ اسے بہت اچھا لگا۔

''چلو بھئی کیک کاٹو'' بابا نے جلدی مچائی۔

''بھوک بھی بہت زبردست لگی ہے۔''

اس نے پھونک مار کر موم بتی بجھائی اور کیک پر چھری چلادی۔ چھوٹا سا پیس اٹھا کر اس نے بابا کے منہ میں ڈالا جوابا'' انہوں نے اس کی پیشانی چوم کر لمبی عمر کی دعا دی اور ساتھ نئی گاڑی کی چابی بھی گفٹ کے طور پر پکڑائی۔

''ویسے تو تم نہیں استعمال کرتے یونہی سہی۔'' انہوں نے لطیف سا طنز کیا تو وہ ہنس دیا۔ پھر ایک پیس کاٹ کر ربداء کی طرف بڑھایا تو وہ سٹپٹا کر بابا کی طرف دیکھنے لگی انہوں نے ہنس کر شانے اچکادیئے۔ وہ بے بسی سے اسے دیکھنے لگی اس کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ تھی۔

''جلدی کرو یار بھوک لگی ہے۔''

مجبورا'' اسے منہ کھولنا پڑا ورنہ تو اسے بابا کے سامنے اس کی بے تکلفی پر بے انتہا شرم آرہی تھی۔

''اور میرا گفٹ....؟'' ہاتھ آگے بڑھایا۔ تو وہ شرمندہ ہوگئی۔

''یہ تو فاؤل ہے بابا....'' اس نے بابا کو بھی لڑائی میں گھسیٹا۔

''چلو ادھار کرلو۔'' بابا نے سزا میں تخفیف کی۔ تو وہ مان گیا۔

''میں کھانا لگاتی ہوں'' وہ کچن میں گھس گئی۔

''خوشبوئیں تو بہت زبردست آرہی ہیں۔''

بابا نے گویا سونگھ کر اندازہ لگایا تو وہ بھی سر ہلانے لگا۔ وہ کھانا ٹیبل پر لگانے لگی۔

''ہوں.... بریانی، روسٹ چکن اور قورمہ.... بھئی بہت زبردست مینو ہے۔'' ارقم نے دل کھول کر تعریف کی تو بابا نے بھی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ شرما سی گئی۔ پل بھر کو وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ ماربل کے پرپل کلر کے شلوار سوٹ میں ملبوس دوپٹہ بے پروائی سے شانوں پر ڈالے وہ جھینپی جھینپی سرخ سی رنگت لیے دل سے بہت قریب محسوس ہوئی۔ وہ اپنی کیفیت سے خود ہی محظوظ ہونے لگا۔

''آج بہت دنوں کے بعد کھانا کھانے کا اتنا مزہ آیا ہے۔'' بابا نے کھلے دل سے اس کو سراہا اور پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

''شاید میرے نام کا کھانا ہے اس لیے اتنا مزے کا ہے کیوں ربی....؟''

وہ اس کی بات کے جواب میں کیا کہتی وہ تو انداز تخاطب پر ہی اٹک گئی تھی۔ اس کے بعد کافی کا دور چلا تھوڑی دیر تک بابا اس سے باتیں کرتے رہے پھر سونے کے لیے چلے گئے تو وہ بھی اٹھ کر بیڈ روم میں چلا آیا۔ اسے دیکھ کر وہ بیساختہ مسکرادیا۔ وہ بستر پر بیٹھی سر جھکائے انگلی سے بیڈ شیٹ پر لائنیں کھینچ رہی تھی۔ ٹھوڑی گھٹنوں پر رکھے ہاتھ پر جمائی ہوئی تھی۔ گویا یہ بھی انتظار کا ایک انداز تھا۔ وہ ہلکے سے کھنکارا تو وہ ہڑبڑا کر سیدھی ہوگئی۔ وہ اس کے پاس بیٹھا تو وہ پرے کھسکنے لگی۔

''اوں ہوں....'' اس نے بازو پکڑ کر اسے روکا۔

پھر وہ جھک کر جوتے اتارنے لگا۔ ربداء کا دل بے ترتیبی سے دھڑک رہا تھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ بہت نرمی سے دونوں ہاتھوں میں اس کا چہرہ تھاما تو اس کی پلکیں عارضوں پر سجدہ ریز ہوگئیں اس کی سانسوں کی بے ترتیبی محسوس کرکے ارقم کے لبوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ ذرا سا اس کے قریب ہوا۔ تو اس نے سختی سے آنکھیں میچ لیں۔

''باہر کا گیٹ بند کیوں نہیں کیا تھا۔ کوئی اندر گھس آتا تو؟'' اس قدر غیر متوقع بات سن کر اس کی آنکھیں پٹ سے کھل گئیں پھر اس کی ہنسی پر وہ اس کے مذاق کو سمجھ کر خفیف سی ہوگئی فورا'' اس کے ہاتھوں کو جھٹکا اور خفت دور کرنے کے لیے تکیہ اٹھا کر اسے دے مارا جو اس نے باآسانی کیچ کرلیا۔ پھر اسے چڑانے کے لیے ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔ اس کا یہ انداز

Digestlibrary.com

بہت انوکھا تھا۔
"تم نے کیا سمجھا تھا میں رومینٹک ہو رہا ہوں؟" وہ اسے چھیڑنے لگا تو اس کے انداز پر وہ روہانسی ہو گئی۔ کتنی بدتمیزی کر رہا تھا وہ۔
"جی نہیں....."
اس کے پرزور انداز تردید پر وہ مزید ہنسنے لگا۔ تو وہ خفت زدہ سی اٹھ کھڑی ہوئی۔ اور بھیگی ہوئی آواز میں بولی۔
"بہت خراب ہیں آپ۔"
اس نے اس کی کلائی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔
"اتنا بن سنور کر میرے سامنے آؤ گی تو میں تو خراب ہوں گا ناں۔" وہ بہکے بہکے انداز میں بولا تو اس کی جان ہوا ہونے لگی۔ اس نے اس کی بھیگی پلکوں کو..... نرمی سے چھوا تو اس نے ماتھا اس کے شانے پر ٹیک دیا ارقم نے اسے بہت قیمتی متاع کی طرح نرمی سے خود میں سمیٹ لیا تھا۔
اس نے صبح سب سے پہلا کام یہی کیا کہ کاظمی کے خلاف سارا مواد خاکی لفافے میں ڈالا۔ اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ آج ایس پی مظہر رحمٰن سے ضرور ملے گا۔ وہ لفافہ تہہ کر کے احتیاط سے پاکٹ میں ڈال کر باہر نکل آیا۔ بابا آفس جا رہے تھے۔
"السلام علیکم بابا....." وہ بہ عجلت کرسی کھینچ کر بیٹھنے لگا۔
"وعلیکم السلام..... خدا حافظ۔" انہوں نے سوال کا جواب دے کر اس کا شانہ تھپکا تو وہ بیٹھتے بیٹھتے ٹھٹک گیا۔ پھر ان کے انداز پر ہنس دیا۔
"بابا..... جلدی آیئے گا۔ میں آج آپ دونوں کو اپنی گاڑی میں سیر کراؤں گا۔" اس نے شرارت سے ہانک لگائی تو وہ ہنستے ہوئے چلے گئے۔
"ربی....." اس نے اسے پکارا۔
"آ رہی ہوں..... بس چائے ڈال لوں" وہ کچن سے چلائی۔ وہ بھی پیچھے پہنچ گیا۔ اسے اپنے گھیرے میں لے کر اس نے لمبی سانس اندر کھینچی۔
"کیا خوشبو ہے" وہ بہت مستی بھرے لہجے میں بولا۔
اس کا معنی خیز انداز اس کے حواس اڑانے لگا۔ پتا نہیں وہ کس کی بات کر رہا تھا۔
"مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ دو دن میں آپ کو کیا ہو گیا ہے؟" وہ اس قدر بیچارگی سے بولی کہ وہ ہنس دیا۔
ناشتے کے دوران بھی وہ اسے تنگ کرتا رہا تھا۔ وہ اس کی بے باکیوں اور شرارتوں سے سرخ پڑ گئی۔ وہ اسے چھوڑنے پورچ تک گئی تو اس نے الوداعی طور پر اسے بانہوں میں لے لیا۔
"سچ آج پتا نہیں کیا بات ہے میرا جانے کو جی نہیں چاہ رہا۔" وہ لبوں سے اس کے بالوں کو چھو کر دھیرے سے بولا تو وہ چپ سی ہو گئی۔ خود اس کے دل کی کیفیت عجیب سی ہو رہی تھی۔
"آپ دیر کر رہے ہیں۔ دیکھ لیجئے گا بہت ڈانٹ پڑے گی ایڈیٹر صاحب سے۔" اس نے ڈرانا چاہا ساتھ ہی اس کی گرفت سے نکلنے کی کوشش بھی کی۔ "بہت مزہ دیتا ہے تمہارا یہ "لیجئے گا" اور "دیجئے گا" کہنا۔" وہ لطف لے کر بولا۔
"یا خدا....." اس نے کراہ کر اسے دیکھا۔
"تمہاری شکل دیکھ کر ترس آ گیا ہے ورنہ میں....." وہ اسے اپنی گرفت سے آزاد کرتے ہوئے معنی خیزی سے بولتے ہوئے جھکا تو وہ تیزی سے پیچھے ہٹی۔
"شام کو تیار رہنا..... تمہیں اور بابا کو باہر لے جاؤں گا میں۔ آتی دفعہ گاڑی لے آؤں گا۔"
اس نے موٹر سائیکل اسٹارٹ کی اور اس کا ہاتھ تھام کر لبوں سے لگایا۔ اس کے چہرے کو گویا آنکھوں میں جذب کیا۔ جانے کیا ہوا کہ ربداء کی پلکیں خود بخود نم ہو گئیں۔ جانے دل کیوں بھر آ رہا تھا۔
"خدا حافظ....." وہ دھیرے سے مسکرائی۔ تو وہ بھی مسکرا دیا۔
"اللہ حافظ....." وہ موٹر سائیکل گیٹ سے باہر نکال لایا کچھ سوچ کر اس نے موٹر سائیکل کا رخ "سچائی" کے آفس کی طرف کر دیا۔ ایس پی مظہر رحمٰن سے ملنے

سے پہلے وہ چند ضروری کام نمٹانا چاہتا تھا۔۔۔ جاتے ہی ایڈیٹر صاحب سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ان کے ساتھ ڈسکشن میں کچھ دیر ہوگئی پھر اس نے اپنے کام نمٹائے تبھی فیصل کا فون آگیا۔

"آج جا رہا ہوں میں مظہر رحمٰن کی طرف۔۔۔" اس نے فیصل کو انفارم کیا۔

کیا بات ہے آج آواز میں وہ جوش نہیں ہے بڑا بجھا بجھا سا لہجہ ہے۔" وہ کھٹک گیا۔

"پتا نہیں یار۔۔۔ بس بڑی عجیب سی کیفیت ہو رہی ہے۔ خیر تم لوگ تو عوام میں شامل ہو خوشی منانا کہ میں نے کس دلیری سے تمہیں کالی بھیڑوں سے نجات دلائی تھی۔" وہ زبردستی لہجہ خوشگوار بنا کر بولا مگر وہ مطمئن نہیں ہوا۔

مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔" وہ مشکوک انداز میں بولا۔

"شٹ اپ۔۔۔ کیا فضول باتیں کیے جا رہے ہو۔" اس نے اکتاہٹ آمیز لہجے میں اسے ڈپٹا۔ پھر اسے بتانے لگا۔

"کل میری برتھ ڈے تھی۔"

اوہ۔۔۔ سالگرہ مبارک۔ کل فون کیا تھا میں نے گدھے اسی وقت یاد کرایا ہوتا۔" فیصل کو افسوس ہونے لگا۔

"اونہہ۔۔۔ جسے یاد رکھنا تھا اسے یاد تھا۔" اس کے تصور میں بھیگی سی خوبصورت آنکھیں اتر آئیں۔

"اوئے ہوئے۔۔۔ لگتا ہے بہت خوبصورت تحفہ ملا ہے بھابی کی طرف سے۔" اس نے شرارت سے وسلنگ کی تو کئی خوبصورت پل اس کی آنکھوں میں اتر آئے۔ وہ بوجھل لہجے میں اعتراف کرنے لگا۔

"ویسے یار فیصل۔۔۔ واقعی تو نے سچ کہا تھا یہ محبت واقعی بندے کے ہوش اڑا دیتی ہے۔"

"اس کے لیے بس ایک دل کی ضرورت ہوتی ہے۔" فیصل نے جتایا۔

"وہ تو تھا میرے پاس مگر میں اس کی وسعت کا اندازہ نہیں کر پایا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ میں بابا کے علاوہ دنیا میں کسی اور کو چاہ ہی نہیں سکتا اور اب تو یہ حال ہے کہ دل میں جھانکتا ہوں تو ہر خانے میں وہ نظر آتی ہے۔" وہ بے اختیار بول رہا تھا۔ فیصل دم بخود تھا۔ یہ خود کو سینت سینت کر رکھنے والا، کسی پر نہ کھلنے والا ارقم نیازی تو نہ تھا۔ اسے کسی گڑبڑ کا احساس ہونے لگا۔ وہ کہہ رہا تھا۔

"کتنا سچ کہا ہے ناں حضرت سلطان باہوؒ نے

دل دریا سمندروں ڈونگے
تے کون دلاں دیاں جانے ہو

مجھے یوں لگتا ہے کہ میں مکمل ہی اسے پا کر ہوا ہوں اور میں جو کھٹ سے مرجانے کی بات کیا کرتا تھا تو اب جی چاہتا ہے کہ ہر پل بس اس کے ساتھ بیتے۔"

"اب تم اپنی گھٹیا لو اسٹوری بند کرو اور کام کی بات کرو۔" فیصل اس کے آس بھرے لہجے سے گھبرا کر اسے ٹوک بیٹھا۔

"تو بہت خبیث ہے فیصل۔" وہ تلملایا تو فیصل ہنس دیا۔ پھر مزید تھوڑی دیر بات کرنے کے بعد اس نے فون رکھ دیا۔۔۔ پھر ایس پی مغل رحمٰن کا نمبر پش کیا۔ دوسری طرف وہ موجود تھا۔ ارقم نے اپنا تعارف کرایا تو وہ بہت خوش دلی سے بولا۔ ارقم کو اس کے لہجے کی شائستگی نے بہت متاثر کیا۔ ویسے بھی اس بندے کی ریپوٹیشن بہت اچھی تھی۔ ارقم نے اشارتاً اس سے کاظمی کے متعلق بات کی تو وہ چونک اٹھا۔ اس کے مزید استفسار پر ارقم نے تھوڑی سی تفصیل بتائی تو اس نے فوراً اسے اپنے پاس پہنچنے کو کہا۔

"بس میں پانچ منٹ میں آرہا ہوں چیزیں میرے پاس ہی ہیں۔" اس نے یقین دہانی کراتے ہوئے فون رکھ دیا اور گہری سانس لے کر سر کرسی کی بیک پر ٹیک دیا۔ تبھی دل میں شدت سے خواہش پیدا ہوئی کہ ربداء سے بات کی جائے اور اس نے دل کی اس فرمائش کو بالکل نہیں ٹالا۔ تیسری بیل پر اس نے ریسیور اٹھالیا تھا۔

"ہیلو۔" اس کی خوبصورت سی آواز اسے آسودہ کر گئی۔

"میں بول رہا ہوں۔" وہ بہت فخریہ انداز میں بولا تو ریسیور میں اس کی ہنسی گونج گئی۔ وہ فوراً" پہچان گئی تھی۔

"آپ۔۔۔؟ آپ کو آفس میں بھی چین نہیں آیا۔"

"اب چین کہاں" "اب تو ہر پل دل میں بے چینی سی ہے کہ کب چھٹی ہو اور کب میں تمہارے پاس آؤں۔" وہ آہ بھر کر بولا تو وہ ہنس دی۔

"شرم کریں آفس میں بیٹھ کر ایسی باتیں کر رہے ہیں وہ بھی اخبار کے۔" اس نے شرم دلانے کی کوشش کی۔

"تو کیا ہوا؟ زیادہ سے زیادہ کل کے اخبار میں میرا اور تمہارا۔۔۔ اسکینڈل ہی شائع ہوگا ناں۔۔۔ چلتا ہے سب۔" وہ شرارت سے بولا۔ پھر اسے یاد دلانے لگا۔

"شام کو یاد ہے ناں پروگرام؟"

"بالکل یاد ہے جناب۔" وہ ادب سے بولی۔

"تمہیں بہت بہت خوبصورت لگنا چاہیے۔۔۔ اتنا کہ میں دیکھوں اور میری دھڑکنیں تھم جائیں۔" وہ بوجھل لہجے میں بولا تو وہ چیخ اٹھی۔ وہ ڈھٹائی سے ہنسنے لگا۔

"شرم تو نہیں آتی یوں فضول باتیں کرتے ہوئے۔" وہ روہانسی ہو کر بولی مگر اسے اثر ہی کہاں تھا۔

"گھر آئیں پھر آپ کو مزہ چکھاؤں گی۔" اس نے دھمکایا۔

"میں انتظار کروں گا۔" وہ معنی خیز شوخی سے بولا تو وہ جھینپ گئی۔

"ویسے بائی داوے تمہیں مزہ چکھانا آتا ہے کیا؟"

وہ بظاہر بہت سرسری انداز میں بول رہا تھا مگر لبوں پر شریر سی مسکراہٹ پھیلی تھی۔ اس نے کھٹاک سے فون بند کر دیا۔ تو ارقم نے بھی زیر لب مسکراتے ہوئے ریسیور کریڈل پر ڈالا اور گہری سانس لے کر اٹھ کھڑا ہوا۔

"ایس پی مظہر رحمٰن۔۔۔" وہ بڑبڑایا۔

وہ تیزی سے موٹر سائیکل اڑا رہا تھا۔ دماغ کاظمی کا انجام سوچنے میں مصروف تھا۔ جو دو مرتبہ اس پر قاتلانہ حملے کروا چکا تھا۔

جتنا تم نے ملک کو کھوکھلا کرنا تھا کر چکے سمجھ لو کہ ایک اور موسیٰ فرعون کو ختم کرنے والا ہے۔

وہ سلگتی سوچوں میں مگن پولیس اسٹیشن کے سامنے پہنچ چکا تھا۔ اس نے کچھ سوچ کر موٹر سائیکل باہر ہی کھڑی کی اور اور نیچے اتر آیا۔ ایک نظر آس پاس ڈالی۔ عجیب سا سماں ہو رہا تھا۔ فضا گرم اور خاموش سی تھی ہر شے جیسے ساکن تھی۔ وہ اندر بڑھنے لگا۔ کبھی بھاری بھرکم موٹر سائیکل دو نوجوانوں کو لیے نمودار ہوئی۔ وقت کی نبض جیسے تھمنے لگی وہ بہت بے پروائی سے قدم اٹھاتا ابھی پولیس اسٹیشن کے احاطے میں قدم رکھنے ہی والا تھا کہ فضا گولیوں کی تڑتڑاہٹ سے گونج اٹھی۔۔۔ لاتعداد گولیاں اس کی پشت میں سوراخ کر گئی تھیں وہ اچھل کر دور جا گرا۔ موٹر سائیکل لمحوں میں آنکھوں سے اوجھل ہو گئی۔ وہ اوندھے منہ مٹی پر گرا تھا۔ تکلیف کا احساس اس قدر شدید تھا کہ وہ ہل نہیں پا رہا تھا۔ اسے آس پاس دوڑتے بھاگتے اور شور مچاتے لوگوں کی آواز سنائی دے رہی تھی مگر کوئی بھی اس کے پاس نہیں آیا۔ اس نے بمشکل سر اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کی تو خون اس کے منہ سے بھی ابل پڑا۔ اس کی آنکھوں میں نمی سی تیر گئی۔ اس نے دھیرے سے سر مٹی پر رکھ دیا۔ وہ تھک گیا تھا۔ اے پاک وطن۔۔۔ اے پاک سرزمین۔ میں نے تیرا قرض چکا دیا۔ میں نے تجھ سے نمو پائی اور تیرے ہر ذرے کا قرض چکا دیا۔ اے میرے خدا۔۔۔ اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے لگا۔ "بابا میں آپ کو اپنی گاڑی میں۔۔۔۔۔"

"شام کو یاد ہے ناں۔۔۔"

"تم بہت خوبصورت۔۔۔"

"اتنی خوبصورت لگنا کہ تمہیں دیکھوں تو میری دھڑکنیں تھم جائیں۔" وہ گھور تاریکیوں میں اتر گیا۔ خون اس کے پورے وجود سے بہہ بہہ کر مٹی میں جذب ہو رہا تھا۔ پولیس کے اہلکار اس کے بے جان وجود کے گرد جمع ہو رہے تھے۔ وطن کی مٹی گواہ رہنا۔۔۔

"ویل سر۔۔۔ آپ کے کہنے کے مطابق سارا پلان مکمل ہوا ہے سر اور ہم کامیاب رہے ہیں۔ آپ سمجھیے اس کے پاس سے کچھ نکلا ہی نہیں سر۔ آخر ہم یہاں بیٹھے کس لیے ہیں۔ آپ کا چھوٹا سا کام نہ ہو پائے تو تف ہے ہم پر۔"

اندر فرض شناس، ایماندار اور سچا ایس پی مظہر رحمٰن ہنستے ہوئے کاظمی سے فون پر مخاطب تھا۔

فضا میں جیسے ارقم نیازی کی پرسوز آواز بین کی صورت میں گونج رہی تھی۔

دل دریا سمندروں ڈونگے
تے کون دلاں دیاں جانے ہو

*......*......*

وہ کتنی ہی دیر سے برآمدے کی سیڑھیوں پر بیٹھی تھی۔ نظریں بدستور گیٹ پر جمی تھیں۔ وہ دل میں اٹھتی ٹیسیں دباتے اس کے پاس آئے۔

"ربی۔۔۔ بیٹا سردی بڑھ گئی ہے اب اندر چلو" انہوں نے اپنی بھرائی ہوئی آواز پر بمشکل قابو پایا۔ وہ ویران نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔ تین ماہ گزر چکے تھے مگر وہ ابھی بھی انہی لمحات میں زندہ تھی۔

"بابا ابھی سردی کہاں۔ اتنی گرمی تو ہے اور ابھی۔ بس ارقم بھی آنے والے ہیں۔۔۔ یاد ہے ناں انہوں نے کہا تھا کہ وہ ہم دونوں کو گاڑی میں لے کر جائیں گے۔۔۔" وہ انہیں یاد کرانے لگی۔ پھر اپنے سفید کپڑوں کو ایک نظر دیکھا جو ملگجے ہو رہے تھے۔

"انہوں نے کہا تھا کہ تیار رہنا۔۔۔ میں شام کو آؤں گا۔۔۔ وہ وہ کہہ رہے تھے کہ۔۔۔ کہ تم بہت خوبصورت لگنا۔۔۔ اتنی۔۔۔ اتنی خوبصورت کہ میری دھڑکنیں تھم جائیں۔۔۔ بابا میں اتنی خوبصورت لگ رہی ہوں ناں؟" وہ خود کلامی کرتے کرتے ان سے پوچھنے لگی ان کی نظر دھندلانے لگی۔

"کیوں چلے گئے ہو ارقم! مجھے یوں تنہا چھوڑ کر؟ میں کیسے اسے سنبھال پاؤں گا۔ تم تو اپنے بابا کی ہر خوشی کا دھیان رکھتے تھے یار پھر اب کیوں چوک ہوگئی تم سے؟ دس از ناٹ فیئر یار۔۔۔" وہ آہستہ سے اس کے پاس بیٹھ گئے۔ وہ پھر بہ اصرار پوچھنے لگی۔

"بتائیں ناں بابا۔۔۔ میں اچھی لگ رہی ہوں ناں ان کپڑوں میں؟ وہ کہہ رہے تھے تم اتنی خوبصورت لگنا کہ میں تمہیں دیکھوں تو میری دھڑکنیں تھم جائیں۔۔۔" وہ کھوئی کھوئی بولی۔

"بہت بدنصیب ہو تم بیٹی کہ تمہیں۔۔۔ تمہیں دیکھنے سے پہلے ہی اس کی دھڑکنیں تھم گئیں۔" وہ اس کا سر اپنے شانے پر رکھ کر رو دیے تو اس کے دماغ پر جمی برف بھی جیسے پگھلنے لگی۔

"بابا۔۔۔ وہ۔۔۔" وہ ٹوٹ کر ہوش میں آئی تھی۔

"وہ تو اپنا حق ادا کر گیا بیٹی۔ جاتے ہوئے بھی وہ سرخرو تھا۔ مگر ظالموں نے اس کی روح کو چین نہیں لینے دیا۔ جانے کب تک حق کو دبایا جاتا رہے گا۔ وہ تو حق اور سچائی کی جنگ لڑنے نکلا تھا بزدلوں نے پیچھے سے وار کرکے ذلالت کا ثبوت دیا اگر وہ اپنے مقصد میں۔۔۔ کامیاب ہو جاتا تو شاید اس کی روح بھی چین پا جاتی۔" وہ رو رہے تھے وہ بہت خاموشی سے اٹھی اور اندر چل دی۔

"تم بہت خوبصورت ہو۔۔۔ تمہاری آنکھیں۔۔۔"

"تمہیں دیکھوں اور میری دھڑکنیں۔۔۔"

وہ اس کی تصویر کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔

"میں قسم کھاتی ہوں رب ذوالجلال کی کہ اگر میرے بطن سے تمہارا بیٹا پیدا ہوا تو اس کو اپنی پاک دھرتی کے لیے وقف کردوں گی۔ وہ تمہارے خون کو رائیگاں نہیں جانے دے گا۔ ختم کردے گا اس ملک کی پاک زمین سے مظہر رحمٰن جیسے غداروں کو، کاظمی جیسے ملک کو کھوکھلا کرنے والے عیاشوں کو کبیر شاہ جیسے ضمیر فروشوں کو۔"

Digest Novel Lover Group